إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

ماہنامہ

# البرہان

جون ۲۰۲۵ء
لاہور

## کیا ساری دینی جماعتوں کے 'منہج' غلط ہیں؟

مُدِیر: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

CPL No. 296 Monthly Al Burhan June 2025

# پروفیسر ڈاکٹر محمد امین کی چند اہم تصانیف

| نمبر شمار | کتاب | صفحات |
|---|---|---|
| | **عصری تعلیم کی اصلاح (اسلامی تناظر میں)** | |
| ۱ | ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل | ۴۵۰ |
| ۴ | اسلامی سکول کے خدوخال | ۸۰ |
| ۲ | تعلیم اور اس کا اسلامی کردار | ۱۶۷ |
| ۳ | خاموش انقلاب بذریعہ تعلیم و تربیت | ۲۸۸ |
| ۶ | یکساں قومی نصاب۔خدشات و مضمرات | ۲۰۸ |
| ۵ | ایک نئی یونیورسٹی کی ضرورت | ۱۲۰ |
| ۷ | اسلامی علوم میں تحقیق۔اصول، ترجیحات اور معیار | ۲۷۲ |
| ۸ | ماڈل نظامِ تربیت برائے سکولز (پروفیسر ارشد جاوید) | ۸۸ |
| ۹ | مقالاتِ تعلیم (پروفیسر ملک محمد حسینؒ) | ۵۷۶ |
| | **فہم قرآن** برائے سکولز، کالجز، یونیورسٹیز | |
| ۱۰ | تدریس القرآن پارہ: ۱، ۲ برائے معلمین | -- |
| ۱۱ | تدریس القرآن جلد اوّل (الفاتحہ۔النساء) | -- |
| ۱۲ | تدریس القرآن جلد دوم (المائدۃ۔التوبہ) | -- |
| ۱۳ | تدریس القرآن جلد سوم: (یونس۔الکہف) | -- |
| ۱۴ | پنج سورہ مع پارہ عم (اُردو تفہیم) | ۷۶ |
| | **طلبہ کی اسلامی تربیت** | |
| ۱۵ | تعلیمی ادارے اور کردار سازی ای بُک | ۱۷۲ |
| ۱۶ | تعلیمی اداروں میں تعمیرِ سیرت۔ہینڈ بک و گائیڈ | ۱۶۰ |
| | **اصلاحِ دینی مدارس** | |
| ۱۷ | ہمارا دینی نظامِ تعلیم | ۲۵۰ |
| ۱۸ | نصابِ مدنیؒ | ۴۰ |
| ۱۹ | مدرسہ ڈسکورسز۔مطالعہ و تجزیہ ای بُک | ۱۵۶ |
| ۲۰ | اصلاحِ دینی مدارس | ۳۵۲ |
| | **اسلامی تحریکیں** | |
| ۲۱ | پاکستان کی دینی قوتیں غیر مؤثر اور ناکام کیوں؟ | ۲۴۰ |
| ۲۲ | عصرِ حاضر میں دین کا متوازن تصور | ۸۴ |

| نمبر شمار | کتاب | صفحات |
|---|---|---|
| ۲۳ | نئی اصلاحی تحریک کی ضرورت | ۷۲ |
| | **تعمیرِ سیرت (تزکیۂ نفس)** | |
| ۲۴ | اسلام اور تزکیۂ نفس (مغربی فکر کے ساتھ تقابلی مطالعہ) | ۹۰۳ |
| ۲۵ | حقیقت تزکیۂ نفس (سوالاً جواباً) ای بُک | ۶۲ |
| ۲۶ | اپنی اصلاح آپ کیسے؟ | ۵۶ |
| ۲۷ | ترکِ رذائل (احمد جاوید) | ۲۹۲ |
| ۲۸ | عصرِ حاضر میں اسلام اور تعمیرِ سیرت | ۴۰۴ |
| | **اسلام اور مغربی فکر و تہذیب** | |
| ۲۹ | اسلام اور تہذیبِ مغرب کی کشمکش | ۱۷۶ |
| ۳۰ | اسلامی اور مغربی اصطلاحات کا تقابلی مطالعہ | ۱۷۶ |
| ۳۱ | اسلام اور ردِّ فکرِ مغرب | ۲۱۶ |
| | **تفہیم دین** | |
| ۳۲ | عروجِ اُمتِ مسلمہ (مسلم نشأۃ ثانیہ) | ۳۸۴ |
| ۳۳ | شاتم رسول کے قتل کی شرعی حیثیت | ۴۸ |
| ۳۴ | رزمِ حق و باطل ای بُک | ۸۰ |
| ۳۵ | اسلام اور پاکستان ای بُک | ۳۰۰ |
| ۳۶ | عصرِ حاضر اور اسلام کا نظامِ قانون ای بُک | ۲۵۰ |
| ۳۷ | جہاد اور دہشت گردی۔عصری تطبیقات ای بُک | ۱۳۰ |
| ۳۸ | مقالاتِ امین (جلد اوّل) ای بُک | ۶۷۶ |
| ۳۹ | مقالاتِ امین (جلد دوم) ای بُک | ۶۴۲ |
| | **اللغة العربية** | |
| ۴۰ | السلطة التشريعية_دراسة مقارنة ای بُک | ۱۵۰ |
| | **English Books** | |
| ۴۱ | Islamization of Laws in Pakistan | 250 |
| ۴۲ | Riyaz us Saliheen I & II | 950 |
| ۴۳ | Literal Translation of the Holy Quran Para 1-10 | 500 |

مکتبہ البرہان
136۔نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور
0336-1913636

یہ اسباق یوٹیوب پر بھی موجود ہیں:
Prof.Dr. Muhammad Amin

# تدریس القرآن

مرتب: پروفیسر ڈاکٹر محمد امین

قرآن حکیم کا ترجمہ سیکھنے کے لیے

## سبق: ١٦

## سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ

اٰیاتها ٢٨٦ رکوعاتها ٤٠

آیت (٧٨-٨٣)

| متن قرآن حکیم مع ترجمہ لفظی و بامحاورہ | | | | | | | قرآنی لفظ | اردو استعمال |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| وَمِنْهُمْ | اُمِّيُّوْنَ | لَا | يَعْلَمُوْنَ | الْكِتٰبَ | اِلَّآ | | اُمِّيُّوْنَ | نبی اُمّی (ﷺ) |
| اور ان میں سے | اَن پڑھ | نہیں | وہ جانتے | کتاب | مگر | | الْكِتٰبَ | کتاب اللہ، کاتب، مکتوب |
| اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اَن پڑھ ہیں اور کتاب (اللہ) کے بارے میں کچھ نہیں جانتے | | | | | | | | |
| اَمَانِيَّ | وَاِنْ | هُمْ | اِلَّا | يَظُنُّوْنَ ﴿78﴾ | فَوَيْلٌ | لِّلَّذِيْنَ | يَظُنُّوْنَ | حسنِ ظن، بدظنی، ظنّی |
| آرزوئیں | اور نہیں | وہ | مگر | وہ گمان کرتے۔ | پس ہلاکت ہے | ان کے لیے | | |
| مگر اپنی آرزوؤں کے (اسیر ہیں) اور وہ محض وہم و گمان میں مبتلا ہیں۔ پس ہلاکت ہے | | | | | | | | |
| يَكْتُبُوْنَ | الْكِتٰبَ | بِاَيْدِيْهِمْ | ثُمَّ | يَقُوْلُوْنَ | هٰذَا | | يَكْتُبُوْنَ | کتاب، کتابت، کاتب |
| جو لکھتے ہیں | کتاب | ان کے ہاتھوں سے | پھر | کہتے ہیں | یہ ہے | | بِاَيْدِيْهِمْ | ید بیضا، رفع یدین |
| ان کے لیے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ | | | | | | | | |
| مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ | لِيَشْتَرُوْا | بِهٖ | ثَمَنًا | قَلِيْلًا ؕ | فَوَيْلٌ | | لِيَشْتَرُوْا | بیع و شراء، مشتری ہوشیار باش |
| اللہ کی طرف سے | تاکہ وہ بیچیں | اس کو | قیمت | تھوڑی پر۔ | تو ہلاکت ہے | | ثَمَنًا | ثمن، ثمین |
| کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ وہ اس کے عوض تھوڑی (بہت) | | | | | | | قَلِيْلًا | قلیل، اقلیت، قلت |
| لَّهُمْ | مِّمَّا | كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ | وَوَيْلٌ | لَّهُمْ | | | كَتَبَتْ | کتاب، کتابت، کاتب، |
| ان کے لیے | جو سے | لکھا ان کے ہاتھوں نے | اور ہلاکت ہے | ان کے لیے | | | | |
| قیمت حاصل کر سکیں۔ پس ہلاکت ہے ان کے لیے جو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں | | | | | | | | |
| مِّمَّا | يَكْسِبُوْنَ ﴿79﴾ | وَقَالُوْا | لَنْ | تَمَسَّنَا | النَّارُ | | يَكْسِبُوْنَ | کسبِ حلال، اکتسابِ فضائل |
| اس سے جو | وہ کماتے ہیں۔ | اور وہ کہتے ہیں | ہرگز نہیں | چھوئے گی ہمیں | آگ | | تَمَسَّنَا | مَس کرنا، لمس |
| اور جو وہ اس سے کماتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہمیں آگ ہرگز نہیں چھوئے گی | | | | | | | | |
| اِلَّآ | اَيَّامًا | مَّعْدُوْدَةً ؕ | قُلْ | اَتَّخَذْتُمْ | عِنْدَ اللّٰهِ | عَهْدًا | مَّعْدُوْدَةً | عدد، معدودے چند، تعداد |
| سوائے | دن | گنتی کے | تم کہو | کیا لیا ہے تم نے | اللہ سے | عہد | اَتَّخَذْتُمْ | اخذ کرنا، ماخذ، ماخوذ |
| مگر گنتی کے چند دن تم ان سے کہو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے | | | | | | | عَهْدًا | عہد، معاہد، معاہدہ |

| متن قرآن حکیم مع ترجمہ لفظی و بامحاورہ | قرآنی لفظ | اردو استعمال |
|---|---|---|
| فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ | يُّخْلِفَ | خلاف، مخالفت، مخالف |
| کہ نہیں / خلاف کرے گا / اللہ / اپنے عہد کے / یا / تم کہتے ہو / اللہ پر | تَقُوْلُوْنَ | قیل وقال، اقوال، مقولہ |
| کہ وہ اس کے خلاف نہیں کرے گا یا تم اللہ کے بارے میں وہ بات | تَعْلَمُوْنَ | علم، علامہ، علوم، علماء |
| مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿80﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ | كَسَبَ | کسبِ حلال، اکتسابِ فضائل |
| جو نہیں / تم جانتے۔ / ہاں / جس نے / کمائی / برائی / اور گھیر لیا | سَيِّئَةً | علماءِ سوء، اعمالِ سیئہ |
| کہہ رہے ہو جو تم جانتے ہی نہیں۔ ہاں ! جس نے برے کام کیے اور جو خطاؤں میں | اَحَاطَتْ | احاطہ، محیط، احاطہ کرنا |
| بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا | خَطِيْٓئَتُهٗ | خطاء، اخطاء، خطا کار |
| اس کو / اس کی خطاؤں نے / تو وہی لوگ ہیں / ساتھی / آگ کے / وہ / اس میں | اَصْحٰبُ | صحابی رسول، صحبت |
| گھرا رہا تو ایسے ہی لوگ آگ میں جانے والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ | | |
| خٰلِدُوْنَ ﴿81﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ | خٰلِدُوْنَ | خالد، خلود، خالدہ |
| ہمیشہ رہنے والے ہیں / اور جو لوگ / ایمان لائے / اور انہوں نے کام کیے / نیک | عَمِلُوْا | عمل، اعمال، عامل |
| رہیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے | الصّٰلِحٰتِ | صالح، صلحاء، صالحہ |
| اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿82﴾ | اَصْحٰبُ | اصحابِ خیر، اصحابِ نبی |
| وہ لوگ ہیں / جنت والے / وہ / اس میں / ہمیشہ رہنے والے۔ | | |
| وہی لوگ جنت میں جانے والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے | | |
| وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا | مِيْثَاقَ | میثاق مدینہ، وثوق، واثق |
| اور جب / لیا ہم نے / وعدہ / بنی اسرائیل سے / نہ / تم عبادت کرنا / مگر | تَعْبُدُوْنَ | عبادت، عابد، معبود، عبد |
| اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم کسی کی عبادت واطاعت نہیں کرو گے سوائے | | |
| اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى | اِحْسَانًا | احسان، محسن، احسن |
| اللہ / اور والدین سے / اچھا سلوک / اور قرابت داروں سے / اور یتیموں سے | الْقُرْبٰى | قریب، اقرباء، قرب |
| اللہ کے اور والدین، قرابت داروں، یتیموں اور | الْيَتٰمٰى | یتیم، یتیم خانہ، ایتام |
| وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا | حُسْنًا | احسن، حسنات، محسن |
| اور مسکینوں / اور تم کہو / لوگوں سے / اچھی بات / اور تم قائم کرو گے | اَقِيْمُوْا | اقامت، قیام، قائم، مقیم |
| مسکینوں سے اچھا سلوک کرو گے اور لوگوں سے اچھی بات کہو گے، | | |

(بقیہ صفحہ نمبر ۷۴)

ماہنامہ
# البرہان
لاہور
Since 2010
جلد ۲۹
شمارہ ٦
برائے آن لائن مطالعہ
www.alburhaan.pk
جون ۲۰۲۵ء/ ذی الحجہ ۱۴۴٦ھ


## آئینہ مضامین


شذرات
- حالیہ پاک بھارت جنگ ۴
- ٹرمپ کا دورۂ عرب ممالک - ہائے غزہ

مقالۂ خصوصی
- کیا ساری دینی جماعتوں کے 'منہج' غلط ہیں؟ پروفیسر ڈاکٹر محمد امین ۷

تعلیم و تربیت
- تعلیمی منصوبہ بندی برائے تبدیلیٔ معاشرت پروفیسر ملک محمد حسینؒ ۱۷
Social Change through Education

دینی تحریکیں
تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاسؒ کی دینی فکر مدیر ۲۵

اسلام اور مغرب
- تفسیر قرآن اور مصنوعی ذہانت ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی ۳۳
- جمہوریت کفر ہے....لیکن حافظ ڈاکٹر عثمان احمد ۴۰
- معاہدہ ابراہیمی کیا ہے؟ خطیب الرحمن ۴٦

پاکستانیات
- سندھ طاس معاہدہ کیا ہے؟ ڈاکٹر حفیظ الحسن ۵۵
- حالیہ پاک بھارت جنگ ادارہ ۵۹
ابّا کے نام : ایک دلچسپ رپورتاژ

تفہیم دین
کیا ادارتی / اجتماعی قربانی جائز ہے؟ سید خالد جامعی ٦۳

غامدیت
- غامدی مکتبِ فکر کی اسرائیل کی حمایت قابلِ مذمت ہے ٦۷
- غامدی مکتبِ فکر- فقہِ غلامی کا علمبردار آصف محمود ۷۰

عالم اسلام
ایک صدمہ انگیز انکشاف محمد کاشف شیخ ۷۱



مدیر
ڈاکٹر محمد امین

ادارۂ تحریر
ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری
حافظ محمد عمران طحاوی

لیگل ایڈوائزر
محمد یحییٰ رشید، ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

انچارج سرکولیشن
(0300-4107282)
[برائے خریداری، تجدید، شمارہ تاخیر سے ملنے کی شکایت اور مکتبہ البرہان کی کتب کی خریداری کے لیے]

زرِاعانت: فی شمارہ 85 روپے
سالانہ 1000 روپے۔ پانچ سال: 5000 روپے
تاحیات 20,000 روپے

تحریک اصلاحِ تعلیم ٹرسٹ
سونیری بنک لمیٹڈ، مین برانچ، لاہور
PK92SONE0000120000056341

برائے رابطہ
136 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

کمپوزنگ: حافظ محسن یوسف
0306-4640366

شذرات مدیر

# حالیہ پاک بھارت جنگ

* حالیہ پاک بھارت جنگ (۷ مئی تا ۱۰ مئی ۲۰۲۵ء) تک افواج پاکستان خصوصاً ائیرفورس کے پائلٹوں نے جس جواں مردی اور بہادری سے دشمن کے جہاز گرائے اور بھارت کے دفاعی اداروں کو تباہ کیا، وہ قابل تحسین ہے۔ ساری سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے اس موقع پر قومی یکجہتی کا مظاہرہ کیا اور ریاست کی بقا کی خاطر اکٹھے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ہماری افواج کی نصرت فرمائی اور انہیں پانچ گنا بڑے دشمن سے مقابلے میں فتح دلوائی۔

* اس موقع پر چین، ترکی اور آذربائیجان نے کھل کر پاکستان کا ساتھ دیا، خصوصاً چین کی حساس اور اعلیٰ ٹیکنالوجی نے پاکستان کی جیت میں اہم کردار ادا کیا۔ ایک لحاظ سے یہ جنگ امریکی و یورپی حربی ٹیکنالوجی اور چین کی ٹیکنالوجی کے درمیان مقابلہ کی صورت اختیار کر گئی جس میں چین کی فتح ہوئی۔ امریکی اور یورپی حربی ٹیکنالوجی پر چین کے تفوق کے عالمی صورت حال اور ہمارے خطے پر اثرات لازماً پڑیں گے۔

* ان لوگوں کے نقطۂ نظر پر بھی غور کرنا چاہیے جو یہ الزام لگاتے ہیں کہ بری فوج کے سربراہ نے اس صورتِ حال کو ذاتی طور پر کیش کرانے کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ پاکستان میں اس وقت بھی حکومت درپردہ بری فوج کے سربراہ کی ہے۔ ماضی میں بھی فوج نے طویل برسوں تک پاکستان پر براہ راست حکومت کی ہے اور اسے اقتدار کا اتنا چسکہ پڑ چکا ہے کہ جب وہ براہ راست حکمران نہیں ہوتے تو بھی کنگ میکر بہرحال وہی ہوتے ہیں۔ جنرل ایوب خاں اور جنرل یحییٰ خان کی وجہ سے ملک دولخت ہوا اور اس وقت بھی ملک (خصوصاً دونوں سرحدی صوبوں بلوچستان اور خیبر پی کے میں) خلفشار کا شکار ہے اور فوج نے جیتی ہوئی پاپولر پارٹی کو اقتدار سونپنے کی بجائے اپنی مرضی کی اور انتخابات میں ہاری ہوئی جماعتوں کے ذریعے حکومت چلا رہی ہے اور عوام میں فوج کے خلاف جذبات کو اس جنگ کے ذریعے بدلنے کی کوشش کر رہی ہے۔ پروپیگنڈے کی جنگ بھی تیز ہے اور اخبارات اس طرح حکومتی کارکردگی کے اشتہارات کو روزانہ نمایاں طور پر شائع کر رہے ہیں جیسا کہ عام طور پر

انتخابات کے وقت ہوتا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جنگ کے سب سے بڑے بینی فشری (Beneficiary) بری فوج کے سر براہ ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے اس شر میں سے خیر نکالیں اور ملت اسلامیہ پاکستان کو سرخرو کریں۔

## ٹرمپ کا دورۂ عرب ممالک

سعودی عرب، امارات، قطر، بحرین وغیرہ کے بادشاہ اور حکمران ہمیشہ سے امریکی ویورپی گماشتے رہے ہیں اوران کے پیٹرو ڈالر بھی امریکہ ویورپ ہی کے کام آئے ہیں، امت مسلمہ کے کام نہیں آئے اور نہ ان ملکوں کے اپنے کام آئے ہیں (سوائے حکمران خاندانوں کی عیاشیوں کے )۔سعودی عرب کی مثال لیں کہ پاکستان کوایک دوارب ڈالر دینے میں انہیں مسئلہ ہوتا ہے لیکن ٹرمپ کے آنے کی خوشی میں محمد بن سلمان نے امریکہ میں ۶۰۰ ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی نوید سنائی ہے۔قطر اپنی لڑکیوں کو بال کھولے سڑکوں پر لے آیا تا کہ ٹرمپ کا شایانِ شان استقبال ہوسکے اوراپنا شاہی جہاز (Flying Palace) اس کی نذر کیا۔یہی کچھ امارات نے کیا۔اس بار یہ ٹرمپ کا پہلا غیر ملکی دورہ تھا اوراس نے اس دورے میں کئی شکار کیے۔نہ صرف کھربوں ڈالر سمیٹے بلکہ ان ملکوں کواسرائیل کوقبول کرنے اور معاہدۂ ابراہیمی میں شمولیت پر بھی زور دیا۔ابراہیمی ایکارڈ کا مطلب یہ ہے کہ عیسائی، یہودی اور مسلمان ایک ہیں۔مطلب یہ ہے کہ سارے مسلم ممالک اسرائیل کوبھی اپنا دینی بھائی سمجھیں اوراس کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی بجائے اس سے دوستی کریں۔امریکہ پہلے ہی امارات، مراکش، سوڈان، مصروغیرہ کوابراہیمی معاہدے میں شامل کر چکا ہے۔بہر حال وائسرے صاحب آئے اوراپنی زیر نگیں ریاستوں سے مال ومتاع سمیٹ کر واپس چلے گئے۔عالم عرب کی اس بے حمیتی اور بے عقلی پر رونا آتا ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

## ہائے غزہ

ظالم اور سفاک اسرائیل امریکی مدد سے غزہ کوخالی کرانے پر تل گیا ہے۔روزانہ سیکڑوں

بچے، عورتیں اور بوڑھے شہید ہو رہے ہیں۔ غزہ کی عمارتیں کھنڈر بن چکی ہیں۔ مسلمان خیمے لگائیں یا سکولوں ہسپتالوں میں پناہ لیں وہاں بھی ان پر خوفناک بمباری ہوتی ہے۔ مزید ظلم یہ کہ غزہ میں خوراک کے داخلے پر اسرائیل نے پابندی لگادی ہے جس کی وجہ سے غزہ میں قحط کا سماں ہے۔ آج ۲۱ مئی کو جب ہم یہ سطور لکھ رہے ہیں تو اقوام متحدہ نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اگر اسرائیل نے آئندہ ۴۸ گھنٹوں میں خوراک غزہ میں نہ داخل ہونے دی تو ۱۴ ہزار بچے بھوک سے مر جائیں گے۔ انسانیت کا راگ الاپنے والا امریکہ اور یورپ کے حکمران اس ظلم پر شرمندہ بھی نہیں ہوتے اور ساری دنیا کے آنکھوں دیکھتے غزہ کے مسلمان ذبح اور تباہ کیے جارہے ہیں اور کسی کے سر پر جوں تک نہیں رینگتی۔ مسلمان حکمران امریکہ کے غلام اور بے حس ہیں اور انہوں نے آنکھیں بند کررکھی ہیں۔ پاکستانی فوج کے سربراہ اگر دھمکی ہی دے دیں کہ ہم اسرائیل کے خلاف لڑیں گے اگر وہ فلسطینیوں پر ظلم سے باز نہ آیا، تو اس سے بھی فرق پڑے گا لیکن امریکہ کی اجازت کے بغیر ہمارے حکمران اور سپہ سالار اتنا بھی نہیں کرسکتے۔ الامان، الحفیظ، مدد یا اللہ مدد۔

---

## بقیہ: تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاسؒ کی دینی فکر

مولانا محمد الیاسؒ کی آراء، جن کے اقتباسات سطور بالا میں کثرت سے دیے گئے ہیں، سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا کے نزدیک دین کے سارے احکام پر اور دین کے سارے شعبوں میں عمل مطلوب ہے۔ تبلیغ، جس پر مولانا بہت زور دیتے تھے، ان کے نزدیک ایک ابتدائی مرحلہ تھا بلکہ ایک ذریعہ تھا تاکہ مسلمانوں کے اندر سارے دین پر عمل کی اہلیت پیدا ہو جائے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مولانا کے اس کام کو شروع ہوئے ایک صدی سے زیادہ گزر چکا ہے (مولانا ۱۳۳۶ھ/ 1915ء میں اپنے بڑے بھائی مولانا محمد صاحبؒ کی وفات پر نظام الدین منتقل ہوئے تھے) لیکن مولاناؒ کے بعد آنے والی قیادت نے مولانا کے ان ارشادات پر عمل نہیں کیا اور تبلیغی جماعت آج بھی اس تبلیغ پر قانع ہوچکی ہے جسے مولانا نے پورا دین نہیں بلکہ دین کی الف ب ت کہا تھا اور اسے ذریعہ گردانا تھا سارے دین پر عمل کا؛ بلکہ تبلیغی جماعت کے ارکان کی اکثریت صرف اسی کو پورا دین سمجھتی ہے۔

اسلامی تحریکیں/استفسار مدیر

# کیا ساری دینی جماعتوں کے 'منہج' غلط ہیں؟

سوال: مجھے حال ہی میں آپ کی کتاب 'پاکستان میں دینی قوتیں غیر مؤثر اور ناکام کیوں؟'' پڑھنے کا موقع ملا ہے اور مَیں اسے پڑھ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ کے نزدیک ساری دینی جماعتوں کے 'مناہج' یا طریق کار غلط ہیں اور صحیح منہج صرف وہ ہے جس کی نشاندہی آپ نے کی ہے کیا میں صحیح سمجھا ہوں؟

جواب: دیکھیے! اجمال بعض اوقات مخل فہم ہوتا ہے اور الفاظ کا چناؤ بھی بعض اوقات شدت کی غمازی کرتا ہے۔ مَیں نے جب مذکورہ کتاب مدون کر لی اور اس کا عنوان (ٹائٹل) زیرِغور تھا تو بعض احباب نے مشورہ دیا کہ 'ناکامیاں' کا لفظ استعمال نہ کیا جائے اور خامیاں یا ایسا ہی کوئی دوسرا نرم لفظ استعمال کیا جائے کہ دینی جماعتوں کو مکمل ناکام قرار دینا صحیح بھی نہیں اور بعض کو مشتعل بھی کر سکتا ہے۔ میری رائے یہ تھی کہ ٹائٹل جاذب یا Catchy ہونا چاہیے جو قاری کو کتاب پڑھنے پر مجبور کرے اور اسے مذکورہ مسئلے پر غور کرنے پر آمادہ کرے کہ یہی ہر مصنف کا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ کتاب دینی حلقوں تک پہنچی اور پڑھی گئی لیکن کسی اشتعال کا سبب نہیں بنی۔ یہ تصحیح اور تحرک کا سبب بنی یا نہیں، یہ الگ مسئلہ ہے۔ اس لیے ہم ایک مرتبہ پھر اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کیے دیتے ہیں۔

* دیکھیے ہم نے یہ نہیں کہا کہ عصرِ حاضر میں دین کو کوئی نہیں سمجھا سوائے ہمارے.... کہ یہ کہنا تعلّی ہوتا اور خلافِ واقعہ بھی.... کیونکہ ہم متجدد نہیں روایت پسند ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ صحابہ و تابعین، اسلاف اور جمہور علماء نے دین کو جو سمجھا ہے وہ صحیح ہے اور دین کی کسی نئی تعبیر کی ضرورت نہیں ہے۔

اصل مسئلہ دین اور عصرِ حاضر میں ارتباط یا Relevance کا ہے۔ محدثات میں حکمِ شرعی اجتہادی اور تجدیدی کا ہے۔ چند صدی پہلے میں یہ حادثہ فاجعہ پیش آیا کہ مسلمان تقریباً ایک ہزار سال تک معلوم دنیا کے ایک بڑے حصے پر غالب رہنے کے بعد مغلوب ہو گئے، انہیں زوال

وادبار نے آلیا۔ مسلم عروج نتیجہ تھا اس 'اظہارِ دین' یا غلبۂ دین کا جو اللہ تعالیٰ نے نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا (اور مسلم زوال سے اظہارِ دین کے اس تصور کو بھی بالواسطہ ٹھیس پہنچی.... اگرچہ علمی، فکری اور روحانی لحاظ سے غلبہ اسلام کو آج بھی حاصل ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال، نکبت اور پسماندگی کے باوجود آج بھی امریکہ و یورپ میں اسلام سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا دین ہے اور ایسا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سارے مغربی پروپیگنڈے کے باوجود ہے) اور اس کی انتہا تھا ۱۹۲۴ء میں خلافت کا خاتمہ، مسلمان ملکوں پر یورپ کا عملی غلبہ، مسلمانوں کی آزادی اور خودمختاری کا خاتمہ اور غلامی کے گڑھے میں گر جانا۔

بہرحال مسلمان اہل علم وفکر نے زوال امت کے اسباب اور مسلم نشأۃ ثانیہ کے مسئلے پر غور کیا اور مختلف زعماء نے کسی نہ کسی پہلو کو اہم سمجھ کر پکڑا اور اس پر کام شروع کر دیا اور اس کے کچھ نہ کچھ مفید نتائج بھی نکلے مثلاً:

۱۔ مولانا محمد الیاسؒ نے تبلیغی جماعت کا آغاز کیا۔ مسلمانوں میں تحریک ایمان کی آبیاری کے لیے ایک بنیادی بات کلمہ (یعنی اقرار توحید کا عقیدہ) اور نماز (عبادات میں سے اولین اور اہم ترین) سے کام کا آغاز کیا اور اسے سارے عالم اسلام میں دینی تحریک اور بیداری کا زینہ بنالیا۔

۲۔ امام حسن البناءؒ نے عالم عرب اور مولانا مودودیؒ نے برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور دینی غلبے کی تحریک چلائی تاکہ دینی قوتوں کو اقتدار میں لاکر مستحکم اسلامی ریاستوں کا قیام ممکن بنایا جاسکے۔

۳۔ دینی مدارس نے کوشش کی کہ وہ زوال کے دور میں مسلمانوں کو ان کی اساس سے منقطع نہ ہونے دیں اور استعماری غلبے کے باوجود ان کی مساجد و مدارس آباد رہیں اور مسلمان کم از کم اپنے عائلی معاملات اور معاشرتی رسوم و رواج میں قرآن وسنت اور فقہ اسلامی سے جڑے رہیں۔

۴۔ مسلمان صلحاء نے کوشش کی کہ ذکر وفکر کے ذریعے مسلمانوں کے نفوس کے تزکیے کی کوششیں جاری رکھی جائیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں ایمان کی شمع جلتی رہے، وہ اسلام سے جڑے رہیں اور اقتدار سے محرومی کے بعد کم از کم اپنی ذاتی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل

پیرا رہیں اور سینوں میں سوز و گداز باقی رہے۔

۵۔ کچھ لوگوں نے کوشش کی کہ مسلمان جدید تعلیم سے بالکل محروم نہ رہیں۔ سر سید کا تعلیمی تجربہ مکمل مغرب زدہ ثابت ہوا تو اہل علم نے کوشش کی کہ تعلیم میں اسلامی تعلیمات بھی پیش نظر رہنی چاہئیں چنانچہ علی گڑھ میں اہل علم نے جامعہ ملیہ کی بنیاد رکھی اور لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے تعلیمی ادارے (اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، سول لائینز، حمایت اسلام لاء کالج، طبیہ کالج وغیرہ)، گجرات میں زمیندارہ کالج اور پشاور میں اسلامیہ کالج اس کی مثالیں ہیں۔

۶۔ کچھ صاحبانِ عزیمت نے دیکھا کہ مغرب اپنی سیاسی، معاشی اور حربی قوت میں بدمست ہے اور جس مسلمان ملک کو چاہے، روندڈالتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ جان کی بازی لگا کر اس کا راستہ روکا جائے، اس کی مسلح مزاحمت کی جائے تاکہ اسے احساس ہو کہ مسلمان اتنے بھی گئے گزرے نہیں کہ مغرب کے لیے تر نوالہ بنے رہیں چنانچہ انہوں نے شجاعت و بسالت اور ایثار و قربانی کی نادر مثالیں پیش کی اور اپنے خون سے مغرب کی آندھی کو روکنے کی کوشش کی۔

زوال سے نکلنے، آگے بڑھنے، نصرت دین اور غلبۂ دین کے لیے زندگی کے چھ اہم مذکورہ شعبوں میں مسلمانوں کی یہ کوششیں لائق تحسین ہیں جن شعبوں میں جو جتنا کر سکا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ بلاشبہ ان شعبوں میں کچھ نہ کچھ تعمیری اور مفید کام ہوا ہے اور اس کے کچھ نہ کچھ اچھے اثرات بھی نکلے ہیں.... لیکن کیا منزل حاصل ہوگئی؟ کیا ان شعبوں میں اتنا اچھا کام ہوا ہے کہ ہم خود کو شاباش دیں اور مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں کہ کارے کردم۔

ایسا نہیں ہے اور اس کے کچھ اسباب ہیں۔ بنیادی بات یہ ہے کہ بلاشبہ کسی قوم کے زوال کے اسباب اور عروج کے ذرائع داخلی ہوتے ہیں لیکن اس سے بھی انکار ممکن نہیں کہ خارجی ذرائع بھی اہم ہوتے ہیں اور بعض اوقات وہ اتنے طاقتور ہوتے ہیں کہ داخلی ذرائع کو بھی غیر مؤثر کر دیتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ چھ شعبوں میں ان کوششوں کو منسجم (Integrate) کیا جاتا، ان میں باہمی ربط ہوتا لیکن اس کام کے لیے ملی سطح کے جتنے بھی ادارے بنائے گئے (موتمر عالم اسلامی، رابطہ عالم اسلامی، اسلامی تعاون تنظیم [OIC])۔ انہیں مغرب نے کام نہیں کرنے دیا اور انہیں غیر مؤثر بنا دیا۔ اس کی ایک وجہ فکری غلامی بھی

ہے۔ مغرب نے پچھلی ایک صدی میں شدید اور منضبط کوششیں کی ہیں کہ مسلمانوں کو ہمیشہ غلام رکھنے کے لیے انہیں فکری غلام بنا دیا جائے اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہا ہے اور پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں یورپ کی کمزوری اور اکثر مسلم ممالک کی آزادی کے باوجود مغرب کی کوششوں اور سازشوں سے مسلم حکمرانوں اور دانشوروں کی اکثریت آج بھی مغرب سے مرعوب ہے بلکہ اسی کی فکر و تہذیب کی پیروی ہی کو اپنے سارے مسائل کا حل سمجھتی ہے۔ پھر یہ کہ اس نے پلاننگ سے نہ صرف مسلم ممالک کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا ہے بلکہ مذہبی طور پر انہیں تقسیم کر کے فرقوں میں بانٹ دیا ہے اور ان میں مسلک پرستی کو اتنا فروغ دیا ہے کہ ہر اہل مسلک نے دین کو اپنے اپنے مسلک تک محدود اور محصور قرار دیا ہے اور اسے مصدر تعصب و تحزب سمجھ لیا ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھا جائے کہ خلافت ۱۹۲۴ء میں ختم ہوئی تھی۔ آج ہم ۲۰۲۵ء میں ہیں یعنی زوال سے نکلنے اور عروج کی طرف بڑھنے کی ہماری کوششوں کو ایک صدی گزر چکی لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنا احتساب کریں، اختیار کیے گئے مناہج اور جدوجہد کا جائزہ لیں کہ صحیح سمت میں کتنا سفر طے ہوا اور کتنا طے نہیں ہو سکا۔ ہمارا تجزیہ یہ ہے کہ (اس مختصر مضمون میں ہم نے حاصلات اور نتائج کی محض نشاندہی کی ہے اور ان کی طرف اشارے پر اکتفا کیا ہے۔ اپنی کتاب 'عصر حاضر میں دینی جماعتوں کی ناکامی' میں بات ذرا کھولی ہے لیکن ان مناہج کے تفصیلی عملی دلائل کے تجزیے کا کام ہم اس وقت کر رہے ہیں جو اندازاً تین ضخیم جلدوں میں مکمل ہوگا، ان شاء اللہ)۔

حاصل یہ کہ بلاشبہ کچھ کام ہوا ہے، کچھ مفید نتائج نکلے ہیں لیکن بہت سا کام جو پیش نظر تھا، نہیں ہو سکا۔ کیوں نہیں ہو سکا؟ اس پر غور ضروری ہے۔ اس تجزیہ و احتساب سے مقصود تنقید و تنقیص اور ہوا خیزی نہیں بلکہ یہ ہے کہ موانع دور ہو سکیں، علم و عمل کی جن خامیوں نے منزل کو دور کر دیا ہے، ان کا ازالہ کیا جا سکے۔ جو لوگ حسب منشا نتائج نہ نکلنے پر تھک ہار کر بیٹھ گئے ہیں، ان کی ہمت بندھائی جائے اور 'تیز ترک گامزن منزل ما دور نیست' کا نغمہ اونچے سُروں میں الاپا جائے تاکہ قدم تیز تر ہو جائیں اور منزل کی طرف بڑھنے کی رفتار میں تیزی آ جائے۔

امت کے مختلف عناصر نے جن چھ شعبوں میں، اپنے ذی قدر زعماء کی قیادت میں کام کا

آغاز کیا تھا، وہ کام چونکہ تجدید واجتہاد کی نوعیت کا تھا لہٰذا بعض خامیاں تو ان کے پروگرام میں تھیں، پھر ان کے بعد ان کے نااہل اخلاف ان میں مزید انحرافات کا سبب بن گئے اور یوں ان کی جدوجہد زیادہ نتیجہ خیز نہ ہوسکی۔ یہاں ہم تحریک، تنظیم کے کاموں میں خامیوں کی نشاندہی کریں گے:

## تبلیغی جماعت

۱۸۵۷ء کے جہاد میں شمولیت اور شکست کھانے کے بعد دیوبند مکتب فکر کے علماء نے سیاست ترک کر کے تعلیم وتزکیہ کا کام شروع کر دیا اور مولانا محمد الیاسؒ نے مدارس وخانقاہوں کے نظام کو غیر مؤثر سمجھ کر ایک عوامی اصلاحی تحریک شروع کر دی جسے 'تبلیغی جماعت' کے نام سے شہرت ملی۔ مولانا نے جو زاہد مرتاض صوفی تھے، تبلیغ کے اس کام کو جہاد قرار دیا، اس پر جان لٹانے کا درس دیا اور کلمہ ونماز کی تصحیح کو اس کی بنیاد قرار دیا۔ انہوں نے دین کے دیگر کاموں وشعبوں کا انکار نہیں کیا لیکن ان کا اصرار تبلیغ ہی پر تھا۔ انہوں نے قرآن کو بھی اپنے کام کا حصہ نہ بنایا اور تبلیغ کے کام کو جاہلوں کے سپرد کر دیا۔ ان کے بعد مولانا محمد ذکریاؒ نے وضعی اور کمزور حدیثوں اور قصے کہانیوں پر مشتمل تبلیغی نصاب مروج کر دیا۔ اجتماعی زندگی اور دین کے سارے شعبوں پر عمل کا مطالبہ نہ ہونے کی وجہ سے اور ہر کہہ ومہ کو مبلغ بننے کا موقع دے کر تبلیغ کو آسان کر دیا گیا اور یہ چاردانگ عالم میں مشہور ومروج ہوگئی لیکن نماز، داڑھی، شلوار قمیص، ٹوپی جیسے چند ظاہری اعمال کے سوا تبلیغی کارکنوں اور عوام الناس میں کوئی بڑی اخلاقی تبدیلی خصوصاً معیشت، معاشرت اور معاملات میں نظر نہیں آتی۔

## دینی مدارس

انگریز استعمار نے ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی کو ناکام کرنے کے بعد پہلے مسلمانوں کا دین تبدیل کرنے کی کوشش کی اور اس میں ناکامی کے بعد لارڈ میکالے کی تجویز پر تعلیم کے ذریعے انہیں تبدیل کرنے کا سوچا اور مسلمانوں کے اوقاف اور مدارس بند کر دیے۔ علماء کرام نے مسلم معاشرے کو مکمل تباہی سے بچانے کی خاطر چند بنیادی علوم کی تدریس عوام کی مدد سے شروع کی۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی مساجد بند نہ ہوں اور ان کے نکاح وطلاق اور خوشی وغم کی سماجی رسمیں ختم نہ ہوجائیں۔ اس طرح دیوبند اور اس کی طرز کے دینی

مدارس نے اپنے عہد کے ایک بڑے خلا کو پُر کیا۔ اجتماعی زندگی اور دنیاوی علوم کی تدریس میں انہوں نے دلچسپی نہ لی کیونکہ استعمار کی نوکرشاہی کے لیے افراد تیار کرنا ان کے پیش نظر تھا ہی نہیں۔ یہ چلن تقسیم ملک تک تو ٹھیک تھا لیکن قیام پاکستان کے بعد اس کے جاری رکھنے کی نہ شرعاً گنجائش تھی نہ عقلاً لیکن علماء کرام نے ان دینی مدارس کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ انہیں فروغ دیا۔ دوسری طرف حکومت نے بھی تعلیم کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کی کوئی کوشش نہ کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تعلیم کی ثنویت مستحکم ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے امت کو تعلیم کتاب وحکمت اور تربیت' کا جو سبق پڑھایا تھا، اس پر عمل نہ ہوسکا اور معاشرہ دن بدن اسلام سے دور ہوتا چلا گیا۔ بدقسمتی سے نظام تعلیم میں اس بنیادی اصلاح سے نہ حکومت کو دلچسپی ہے اور نہ علماء کو اور اس کا نتیجہ اخلاقی تباہی اور عوام، معاشرے اور ریاست کی دینی تعلیمات سے دوری ہے۔

## جدید دینی جماعتیں

اسلام میں کوئی طبقہ واریت نہیں ہے اور نہ اسلام میں علماء کا کوئی طبقہ ہے بلکہ ہر شخص جو دین کا گہرا علم حاصل کرے وہ عالم بن سکتا ہے اور بن جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ہمیں مسلم روایت میں علماء کا ایک طبقہ غیرمحسوس انداز میں کام کرتا نظر آتا ہے۔ خلافت کے خاتمے کے بعد اسلام کے احیاء وغلبے کے لیے ہمیں مسلم معاشرے میں غیرروایتی علماء کا ایک گروہ یا طبقہ ابھرتا نظر آتا ہے اور اس کا ایک خاص کردار سامنے آتا ہے۔ عالم عرب میں اس کے داعی امام حسن البناء اور برصغیر پاک وہند میں مولانا مودودیؒ تھے اور ان سے متاثر گروہ اور جماعتیں اس کی مظہر ہیں جو جلد ہی سارے مسلم ممالک میں پھیل گئیں۔ یہ جماعتیں مغربی فکر وتہذیب کے علمبردار ممالک کے غلبے کا ردّعمل معلوم ہوتی ہیں جن کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان سیاسی طور پر مستحکم ہوں اور مضبوط اسلامی ریاستیں قائم کریں جو مسلمانوں کو دنیا میں سربلند کرنے اور دین کی عظمت کا سبب بنیں۔ ان جماعتوں نے مغرب زدہ اور غیرصالح مسلم حکومتوں کے خلاف حریفانہ جدوجہد شروع کی۔ ایک طرف مغرب اور ان کے حمایت یافتہ مسلمان حاکموں نے ان جماعتوں کو ناکام بنانے کی کوشش کی اور دوسری طرف اس نقطۂ نظر کے حامی علماء (خصوصاً مولانا مودودیؒ نے) اس نقطۂ نظر کو فکری وعلمی بنیاد مہیا کرنے کی خاطر دین کی ایسی سیاسی تعبیر کی جس کی جمہور علماء نے مخالفت کی اور یوں یہ جماعتیں مسلمان عوام کی حمایت سے محروم ہوگئیں

اور خود ان جماعتوں کی رائے کے مطابق قائم کردہ سیاسی نظام میں (جس میں انہوں نے مغرب کی لادین اور سیکولر ولبرل جمہوریت میں کچھ اسلامی اصول داخل کرکے اسے 'اسلامی جمہوریت' قرار دے کر قبول کرلیا۔ نہ صرف یہ کہ یہ اجتہاد غلط تھا (کیونکہ حق و باطل کا امتزاج ممکن نہیں) بلکہ عملاً بھی یہ جماعتیں سیاسی طور پر ناکام ہوگئیں بلکہ مغرب کے اصول واقدار (سیکولرزم، لبرل ازم، کیپٹل ازم اور مادہ پرستی، فحاشی وعریانی) اور دین سے دوری معاشرے میں عام ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ عوام کی اصلاح کے بغیر محض سیاسی جدوجہد سے اسلامی نافذ نہیں ہوسکتا اور پاکستان میں نافذ نہیں ہوسکا اور نہ آئندہ اس کے امکانات نظر آتے ہیں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی غیبی انتظام ہوجائے لیکن وہ بھی اس کی عادت کے منافی ہے۔

## تصوف کے حلقے

صدرِ اوّل میں ہی علماء وصلحاء نے عوام کے تزکیۂ نفس کے لیے کوششوں کی ضرورت محسوس کی چنانچہ بتدریج تصوف کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوگیا جس میں عموماً آبادی سے باہر ایک تربیتی مرکز قائم کیا جاتا جس میں عوام ایک عالم/ صالح مربی کی نگرانی میں فکر آخرت اور شریعت پر عمل کا سبق سیکھتے۔ کثرت ذکر اور صحبت صالح اس کام کی بنیاد تھی۔ جب زندگی کے دوسرے شعبوں میں انحطاط آیا تو یہ شعبہ بھی اضمحلال وانحطاط سے نہ بچ سکا۔ سجادہ نشینی وراثت میں تبدیل ہوگئی، غیر مذاہب کے اثرات بدقابل قبول ٹھہرے اور غیر اسلامی رسوم ورواج نے راہ پالی۔ اس وقت تصوف کے داعی لوگوں کی اکثریت (خال خال اچھے آدمی ضرور موجود ہیں) ہوسِ مال وزر کا شکار ہے، تصوف کاروبار بن گیا ہے۔ ان نام نہاد صوفیوں/ مربیوں کی اکثریت دین کی عالم اور اس پر عامل نہیں گویا کارِ طفلاں تمام خواہد شد۔

## جدید تعلیم

جامعہ ملیہ اور اسلامیہ کالجوں کی صورت میں تعلیم کو مغربی اثرات سے پاک نہ رکھا جاسکا اور قیام پاکستان کے بعد حالات بہتر ہونے کی بجائے مزید خراب ہوگئے کیونکہ حکومت نے تعلیم کو اسلامی اصولوں کے مطابق بنانے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہ کی سوائے مریل سے اسلامیات کے ایک مضمون کے اضافے کے اور نہ علماء کرام نے دینی مدارس میں دنیاوی

مضامین کا اضافہ کیا۔ مزید یہ کہ پرائیویٹ سیکٹر کو شعبۂ تعلیم میں کام کرنے کی اجازت دے دی گئی اور اس پر کوئی نگرانی نہ رکھی گئی۔ اس پر تعلیم کی مغربیت (ویسٹرنائیزیشن) کا ایک سیلاب آیا جو تعلیم میں ہر اسلامی تجربے کو بہا کر لے گیا، تعلیم کمرشل ہو گئی اور اب حالت یہ ہے کہ اسلامی جماعتوں کے لوگوں کے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی اسلام کم ہے اور مغربیت ہر سو چھا گئی ہے۔

یہ صورتِ حال انگلش میڈیم سکول سطح پر بھی عام ہے۔ مخلوط تعلیم عام ہے، یونیورسٹیاں قحبہ خانے بنتی جا رہی ہیں، ماؤں نے گھر میں بچوں کی تربیت کرنی چھوڑ دی ہے اور ہر جگہ سکولوں میں تین چار سال کے بچے پری سکولوں کے پلے گروپ اور نرسری میں بابا بلیک شیپ اور ٹونکل ٹِونکل لٹل سٹار گاتے نظر آتے ہیں اور مغربی یونیفارم پہنے، ٹائی لگائے اور لڑکیاں سکارف کی بجائے وی کی پٹی لٹکائے اور ٹائی پہنے نظر آتی ہیں۔ گویا سکولوں میں مکمل مغربیت اور لادینیت کا راج ہے۔ نیز مسلمان بچوں کو مغرب کا فکری اور عملی غلام بنانے کی تربیت سرعام دی جاتی ہے اور لوگوں کے سامنے بچوں کو تعلیم دینے کا اس کے سوا کوئی مقصد نہیں کہ بچوں کو اچھی انگریزی بولنا اور مغربی لباس پہننا آ جائے اور انہیں اچھی ملازمت مل جائے۔ ظاہر ہے اسلامی نقطۂ نظر سے یہ حالات ناقابل قبول ہیں اور جدید یا دنیاوی تعلیم کو اسلامی بنانا ناگزیر ہے بلکہ تعلیمی ثنویت کو ختم کر کے ایک ہی نظام تعلیم ہونا چاہیے جو اسلامی تقاضوں کو پورا کرے اور متوازن اسلامی شخصیت پیروان چڑھائے۔ دینی تعلیم کے تخصص کا بھی معقول انتظام ہونا چاہیے۔ اگر حکومت کچھ نہیں کرتی تو دینی عناصر کو یہ کام پرائیویٹ سیکٹر میں لامحالہ کرنا چاہیے جو اس وقت کہیں نہیں ہو رہا۔

## جہادی تنظیمیں

جدید دینی تحریکیں جب سیاسی طور پر ناکام ہوئیں اور دین دشمن قوتوں نے انہیں ناکام بنا دیا تو ان میں سے کچھ سوچنے سمجھنے والے عناصر نے الگ تنظیمیں کھڑی کر لیں جیسے عالم عرب میں تقی الدین النبہانی نے حزب التحریر قائم کر لی اور پاکستان میں ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے تنظیم اسلامی اور نعیم صدیقی مرحوم نے تحریک اسلامی قائم کر لی۔ اسی طرح بعض پر جوش نوجوانوں

نے مایوس ہوکر مسلح مزاحمت کا راستہ اختیار کیا جیسے مصر میں الجرۃ والتکفیر اور پاکستان میں صوفی محمد کی تحریک نفاذ شریعت محمدی۔ تحریک طالبان پاکستان اگرچہ افغانستان میں امریکی مداخلت اور پاکستانی فوج کی امریکی حمایت اور اس حمایت میں پاکستانی قبائل کے خلاف آپریشن کے ردّعمل میں ابھری تھی لیکن اب وہ بھی پاکستان میں نفاذِ شریعت کا مطالبہ کرتی ہے، گو اس کے پیچھے بھارت اور امریکہ کا ہاتھ کہا جاتا ہے۔ پھر عالم عرب ہی سے القاعدہ اور داعش اٹھیں۔ اوّل الذکر امریکہ میں ۹/۱۱، طالبان افغانستان اور اُسامہ بن لادن کی حمایت کی وجہ سے مشہور ہوئی جبکہ آخر الذکر نے شام اور عراق کے بعض علاقوں پر قبضہ کرکے وہاں خلافت اسلامی کے قیام کا اعلان کردیا جسے کسی بھی مسلمان ملک نے قبول نہیں کیا۔ داعش کے بارے میں ہیلری کلنٹن، برطانوی وزیراعظم اور روسی صدر پیوٹن کے بیانات ریکارڈ پر ہیں جن میں کہا گیا تھا کہ مغربی قوتوں نے داعش کو لانچ کیا تھا اور حال ہی میں شام میں برسراقتدار آنے والی ھیئۃ تحریر الشام نے سعودی عرب میں ٹرمپ سے ملاقات کرکے مغرب کی مالی امداد حاصل کرکے ثابت کردیا کہ وہ بھی مغرب ہی کی کاشتہ تھی۔ ۹/۱۱ کے بارے میں بھی بہت سے محققین کا خیال ہے کہ یہ کام سی آئی اے اور موساد کی معاونت سے ہوا تھا اور ساری پلاننگ ان کی تھی۔ پھر ایسی بربریت داعش کی دکھائی گئی اور اس کا اتنا پروپیگنڈا کیا گیا کہ آئندہ کوئی خلافت کا نام بھی نہ لے سکے۔

خلاصہ یہ کہ ایک تو جہادی تنظیموں میں امریکی مداخلت نے ان کی حیثیت اور کارکردگی کو مشکوک ٹھہرایا، دوسرے انہوں نے مسلمان حکومتوں کے خلاف جدوجہد کرکے انہیں نقصان پہنچایا اور کمزور کیا (جیسے آج کل پاکستان کے صوبے بلوچستان اور خیبر پی کے میں دہشت گردی کی کاروائیاں جاری ہیں)۔ تیسرے یہ کہ جب بہت سے مسلمان ممالک میں دعوت و اصلاح کے راستے کھلے ہیں بلکہ سیاسی تبدیلی کے بھی راستے کھلے ہیں اور وہاں مختلف سیاسی جماعتیں حکومتیں بناتی رہتی ہیں تو اسلامی تحریک کے لیے بھی کام کے راستے کھلے ہیں اور اس کی موجودگی میں مسلح مزاحمت اور خروج کی شرعاً گنجائش بھی نظر نہیں آتی۔

قارئین کرام! ہم نے ایک ایک کرکے عصر حاضر کی دینی قوتوں کے منہاج عمل کا جائزہ

لیا اور ان میں موجود خامیوں کی نشاندہی کی ۔ ہماری عرض صرف اتنی ہے کہ جب تک ان خامیوں کو دور نہ کیا جائے ان کی جدوجہد نہ صحیح رُخ اختیار کر سکتی ہے اور نہ نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ہم بار باران دینی قوتوں کی خدمت میں عرض کر رہے ہیں کہ وہ ان خامیوں کا احساس کریں اور انہیں دور کریں لیکن وہ نظر ثانی پر تیار نہیں ۔اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ان خامیوں کی اصلاح کے لیے ایک تحریک چلائی جائے۔اور اگر موجودہ ادارے، تنظیمیں ، جماعتیں اپنی اصلاح پر آمادہ نہ ہوں تو نئے ادارے،نئی تنظیمیں اور نئی جماعتیں بنائی جائیں جو صحیح رُخ میں کام کریں۔ یہ ادارے اور تنظیمیں اجتہادی آراء کی بناء پر کام کر رہی ہیں اور جب ایک اجتہاد مفید ثابت نہ ہو تو دوسرا اجتہاد کیا جا سکتا ہے تاکہ پہلے کے نقائص اور خامیاں دور کی جا سکیں۔

هذا من عندنا والعلم عندالله۔

---

## بقیہ:تعلیمی منصوبہ بندی برائے تبدیلئ معاشرت

۴۔ عام تعلیم کے طلبہ کو طویل چھٹیوں میں ناخواندہ حضرات کو پڑھانے پر لگایا جائے۔

تعلیمی منصوبہ بندی اور تعلیمی عمل خلا میں سرانجام نہیں پاتا۔تعلیم ایک سماجی عمل ہے جس پر اور بے شمار سماجی ادارے اثر انداز ہوتے ہیں۔معاشرتی تبدیلی کی خاطر تعلیمی منصوبہ بندی کو موثر بنانے کے لیے ہمیں مربوط منصوبہ بندی کے تصور کو اپنانا پڑے گا۔یعنی تعلیم کے ساتھ ساتھ دیگر سماجی اداروں کو اور خاص طور پر ابلاغ عامہ کے شعبے کو مقاصد تعلیم کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ہوگا۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور فلم کو نئی معاشرتی ضروریات کے مطابق نیا رنگ اور نئی جہت دینا پڑے گی۔ابلاغ عامہ کی سرگرمیاں بھی اگر اسلامی نظریاتی کونسل کی مجوزہ ذیلی تعلیمی کمیٹی کی جانچ پڑتال کی زد میں ہوں تو یکسانیت اور ہم آہنگی میں مدد ملے گی۔

آخری لیکن سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ تعلیم اور اہل تعلیم کو بے وقعت رکھ کر ان سے مفید نتائج اور مثبت اثرات سمیٹنے کی توقع کرنا ابلہ پن سے کسی طرح کم نہیں۔ جب تک تعلیم اور اہل تعلیم کو وقیع نہیں بنایا جائے گا۔انہیں ہر پہلو سے وقار اور سربلندی عطا نہیں کی جائے گی اس وقت تک نہ تو معاشرے کے رنگ ڈھنگ میں تبدیلی آئے گی اور نہ سہانے مستقبل کے خواب سچے ثابت ہوں گے۔

تعلیم و تربیت

پروفیسر ملک محمد حسینؒ

# Social Change through Education

# تعلیمی منصوبہ بندی برائے تبدیلئ معاشرت

انسانی معاشرہ کسی بھی زمانے میں جامد نہیں رہا۔ عمومی ماحول، رہن سہن، عادات واطوار، سوچ اور فکر، رویے اور رجحانات نیز اقدار حیات ہمیشہ بدلتی رہی ہیں۔ بعض تبدیلیاں مختصر وقت میں رونما ہوتی ہیں تو بعض طویل وقفوں میں ایک مسلسل اور زنجیری عمل کے ذریعے ارتقائی طور پر معرض وجود میں آتی ہیں۔ معاشرتی تبدیلیاں کئی ایک عوامل کی پیداوار ہوتی ہیں مثلاً سائنسی اور تکنیکی ترقی، مختلف معاشروں اور اقوام کا باہمی میل جول، ایک ہی قوم کے مختلف علاقوں کے لوگوں کا باہمی تعامل، ریاست کی پالیسیاں اور سب سے بڑھ کر نظامت تعلیم اور اس کی نظریاتی بنیادیں۔

معاشرتی تبدیلی کے دو عناصر بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اوّلاً نظریاتی وفکری تبدیلی اور ثانیاً انسانی رویوں اور اقدار حیات کی تبدیلی، دور حاضر کی سامراجی قوتیں اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو پورا کرنے کے لیے انہی دو عناصر کو وسیلہ بنا کر کمزور اور ترقی پذیر اقوام کو مشق ستم بناتی ہیں۔ کسی قوم کے افراد کے رویے (Attitude) اور ان کی اقدار جن پر ان کا ایمان ہوتا ہے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ یہی اقدار اور رویے من جملہ قومی کردار کی عکاسی کرتے ہیں اور انہی پر کسی قوم کے استحکام اور مستقبل میں کامیابی کے ساتھ آگے بڑھنے کا انحصار ہوتا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے نظام تعلیم، معاشرتی تبدیلیاں لانے کے لیے ایک طاقتور عامل کا درجہ رکھتا ہے۔ نظام تعلیم اپنی آراء فرینی اور مستحکم و دیرپا کردار کی وجہ سے سب سے زیادہ توجہ کا مستحق ہے۔ یہ قوم کے بچوں کو آغازِ کار ہی سے ایسے سانچوں میں ڈھال دیتا ہے جن میں بعد کے اثرات کوئی زیادہ تبدیلی نہیں لا سکتے۔ ہر دور اور ہر زمانے میں تعلیم وتربیت کا نظام، معاشرتی تبدیلی کے لیے ایک ناگزیر آلے کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے۔ غالب اقوام نے مفتوح اقوام کو طویل عرصہ تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھنے کے لیے، نظام تعلیم کو ہمیشہ اپنے ڈھنگ کے مطابق ترتیب دیا ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں مسلمان

مملکتوں کے زوال کے بعد یہاں قابض مغربی اقوام نے جس طرح مسلمان کے نظام تعلیم کو ان ممالک کے مجبور و مقہور عوام پر مسلط کیا وہ اس نقطہ نگاہ کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ کمیونسٹ جہاں بھی غلبہ حاصل کرتے ہیں۔ وہ پہلے وہاں کے نظام تعلیم کو اپنے فلسفہ حیات سے ہم آہنگ کرتے ہیں تاکہ ان عمل کے نتیجہ میں ہونے والی معاشرتی تبدیلی سے اپنے نظام سیاسی کو دوام بخش سکیں۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ جب ہدایت حق اپنی آخری اور مکمل شکل میں اس کرہ ارضی پر نازل کی گئی تو ایک بالکل ہی نیا معاشرہ تشکیل دینے کے لیے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم و تربیت ہی کا راستہ اختیار فرمایا۔

وطن عزیز میں اس وقت نظام اسلامی رائج کرنے کی مخلصانہ کوششیں ہو رہی ہیں۔ درخشاں مستقبل کے سہانے خوابوں کے ساتھ ساتھ ایسی آوازیں بھی کبھی کبھار سنائی دیتی ہیں کہ موجودہ معاشرے میں اسلامی نظام کا کامیابی کے ساتھ چلنا ممکن نہیں ہے۔ اس قسم کے گھسے پٹے اعتراضات کی تو کوئی وقعت نہیں، لیکن اس بات سے بھی مفر نہیں ہے کہ نئے دور کے نئے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہمیں شعوری طور پر اپنے موجودہ معاشرے کو بہر حال تبدیلی کی کٹھالی سے گزارنا پڑے گا۔ ہمیں اپنی قوم کے تصورات، خیالات، افکار، رویوں، معیارِ خیر وشر اور میزانِ سود وزیاں کی دنیا میں وہ تبدیلیاں لانا پڑیں گی جن کا اسلامی تعلیمات تقاضا کرتی ہیں۔ ان تبدیلیوں کو اسلامی نظام کی پیشگی ضرورت (Pre-Requisite) سمجھا جائے یا نتیجہ (End Product) بہر حال یہ تبدیلیاں ناگزیر ہیں۔

مطلوبہ معاشرتی تبدیلی کے لیے ہمیں اپنے تعلیمی منصوبوں کو اس طرح متشکل کرنا ہوگا کہ یہ تبدیلی کم سے کم وقت میں موثر طور پر روبہ کار لائی جا سکے۔ آئندہ ہمارے نظام تعلیم کی افادیت اور پیداواری صلاحیت اسی معیار پر جانچی جانی چاہیے۔ نئے سرے سے تعلیمی منصوبہ بندی کرتے ہوئے ہمیں اساتذہ کے انتخاب اور تربیت میں نیز ان کے ملازمتی ڈھانچہ اور شرائط کار میں اسلامی نقطہ نگاہ کے مطابق انقلابی تبدیلیاں لانا پڑیں گی۔ نصاب تعلیم کی تدوین نو ضروری ہوگی۔ تعلیمی اداروں کے سماجی مشاغل اور غیر نصابی سرگرمیوں کو از سر نو تشکیل دینا ہوگا۔ نظام تعلیم میں یکسانیت اور عوامی ابتدائی تعلیم کا اہتمام لازماً کرنا پڑے گا۔

## اساتذہ کا انتخاب اور تربیت

نظامِ تعلیم میں اساتذہ مرکز و محور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ باصلاحیت نظریاتی اور پیشہ ورانہ تربیت سے بہرہ ور اور نظامِ تعلیم کی فلسفیانہ اور نظریاتی بنیادوں کا فہم و ادراک اور اس کے ساتھ جذباتی لگاؤ رکھنے والے اساتذہ، نظامِ تعلیم کی چھوٹی بڑی کمزوریوں اور خامیوں کا از خود مداوا کر لیتے ہیں۔ لادینی اور مغربی فلسفہ تعلیم استاد کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنی اہمیت اس کی اسلامی نظامِ تعلیم میں ہے۔ طالب علم اوراقِ کتب کی تعلیم سے کہیں زیادہ استاد کے فیضانِ نظر کا محتاج ہوتا ہے۔ فیضانِ نظر مومن اور متقی اساتذہ ہی کا شیوہ ہوتا ہے۔

معاشرے کو اسلامی رنگ میں رنگنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا رنگساز خود اسی رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ استاد کے لیے نہ صرف یہ ضروری ہے کہ وہ عملی طور پر اسلام کا چلتا پھرتا ماڈل ہو بلکہ علم و فہم کے لحاظ سے بھی وہ ایک کامل مسلمان ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہمیں مندرجہ ذیل اقدامات کرنا پڑیں گے۔

۱۔ اساتذہ کے لیے اسلامی نظریۂ حیات کا کم سے کم ضروری نصاب مرتب کیا جائے۔ یہ نصاب ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے اساتذہ کے لیے ان کی ضروریات کے مطابق ہونا چاہیے۔

۲۔ اس کم سے کم نصاب کی تفہیم کا اکتسابی جائزہ لینے کے لیے جدید طرز کی معیاری آزمائشیں تیار کی جائیں۔

۳۔ زیرِ ملازمت تمام اساتذہ کو ایک مرحلہ وار پروگرام کے تحت اسلامی نظریہ حیات کا مجوزہ نصاب ریفرشر کورسز کے ذریعے پڑھا دیا جائے۔ ان کورسز کے آخر میں مطلوبہ امتحان پاس کرنا ضروری ہو۔ یہ مرحلہ وار پروگرام جتنی جلد ممکن ہو شروع کیا جائے اور اسے دو سال سے زیادہ عرصہ پر محیط نہیں ہونا چاہیے اس مقصد کے لیے شام کی کلاسوں کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اساتذہ کے تمام کیڈرز میں آئندہ بھرتی کے لیے آنے والے تمام امیدواروں سے اسلامی نظریۂ حیات کے مجوزہ نصاب کا امتحان لیا جائے اور صرف کامیاب امیدواروں کو ملازمت کا مستحق سمجھا جائے۔

۵۔ اساتذہ کے ہر سطح کے تربیتی پروگراموں میں اسلامی نظریۂ حیات کا مجوزہ نصاب

ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے اور اس میں کامیابی کو نہ صرف لازمی قرار دیا جائے بلکہ اس میں کامیابی کا معیار دوسرے مضامین کی نسبت بہت اونچا رکھا جائے۔

۶۔ تربیت اساتذہ کے تمام ادارے لازماً سو فیصد اقامتی ہوں۔ دوران تربیت زیر تربیت اساتذہ سے عبادات اور دیگر شعائر اسلامی کی لازمی پابندی کرائی جائے۔ پابندی اختیار نہ کرنے والے زیر تربیت اساتذہ کو تربیتی پروگرام سے خارج کر دیا جائے۔

۷۔ زیر ملازمت تمام اساتذہ کا ایک سروے کیا جائے اور ایسے تمام اساتذہ جن کی اسلام کے ساتھ وفاداری مشکوک ہو انہیں اس ملازمت سے سبکدوش کر کے کسی اور محکمہ میں کھپا دیا جائے۔

۸۔ تمام عمرانی علوم کے لیے لازماً صرف اور صرف صحیح العقیدہ مسلمان اساتذہ مقرر ہوں۔ غیر ملکی زبانوں یا سائنسی اور تکنیکی علوم کی تدریس کے لیے غیر مسلم اساتذہ برداشت کیے جا سکتے ہیں۔

۹۔ ابتدائی تعلیم کے پورے نظام میں صرف اور صرف مسلمان اساتذہ کا تقرر کیا جائے۔

۱۰۔ اساتذہ کی سالانہ خفیہ رپورٹ فارم کو از سر نو مرتب کیا جائے اور اس میں استاد کے کردار کا بحیثیت ایک مسلمان کے جائزہ لینے کے لیے مناسب نکات درج کیے جائیں۔ اسی قسم کے معیار کا مطالبہ محکمہ تعلیم کے اعلیٰ ترین تدریسی وانتظامی مناصب تک سب سے کیا جائے۔

## ۲۔ نصاب تعلیم کی تدوین نو

نصاب تعلیم، نظام تعلیم کی جملہ سرگرمیوں کو منضبط شکل دیتا ہے اور یہ مقاصد تعلیم کو پورا کرنے کا ایک لائحہ عمل ہوتا ہے۔ نئی معاشرتی ضروریات کے تحت نئے مقاصد تعلیم کو پورا کرنے کے لیے نصاب تعلیم کی تدوینِ نو انتہائی ضروری ہے۔ نیا نصاب تعلیم تشکیل دینے کے بعد اہم مرحلہ درسی کتب کی تیاری کا ہے۔ اس شعبے کی منصوبہ بندی اور کنٹرول بڑے فہم وبصیرت کا تقاضا کرتی ہے۔ اس مقصد کے لیے حسب ذیل تجاویز سودمند ثابت ہو سکتی ہیں۔

ا۔ اسلامی نظریاتی کونسل میں تعلیم کے نظریاتی پہلو پر کڑی نظر رکھنے کے لیے ایک ذیلی کونسل یا کمیٹی قائم کی جائے جس میں علمائے دین کے علاوہ، اسلامی نظریہ حیات کے ساتھ

جذباتی وابستگی رکھنے والے ماہرین تعلیم شامل ہوں۔

۲۔ تمام مضامین کے نصاب کی آخری منظوری مجوزہ کمیٹی دے۔

۳۔ تنظیم اساتذہ پاکستان اور دیگر پیشہ ورانہ تنظیموں کی مدد سے اساتذہ کے تمام طبقوں کا ایک جامع سروے کیا جائے اور نصاب کی تیاری اور درسی کتب کی تصنیف وتالیف میں مفید کردار ادا کرنے کے اہل اساتذہ کی ایک ڈائریکٹری تیار کی جائے۔

۴۔ تدوین نصاب کی کمیٹیوں میں اگرچہ ماہرین اور اساتذہ کی ایک محدود تعداد ہوگی تاہم نصاب کو آخری شکل دینے سے پیشتر اسے مشتہر کیا جائے اور اساتذہ کی انفرادی آراء کے ساتھ اساتذہ کی نمائندہ تنظیموں کا ردعمل معلوم کر کے نصابی مسودوں کو بہتر بنایا جائے۔

۵۔ اسلامی نظریۂ حیات کو تمام مضامین کے نصاب خصوصاً عمرانی علوم کے لیے مرکز ومحور بنایا جائے۔طبعی اور حیاتیاتی علوم کا نصاب اس طرح مرتب کیا جائے کہ خالق کائنات کا صحیح تصور ہر ہر موضوع سے منعکس ہو۔

۶۔ نصابی کتب مقابلہ کی بنیاد پر لکھوائی جائیں۔منتخب ہونے والی کتب کے مصنف یا مصنفین کو گرانقدر انعامات دیئے جائیں جبکہ وہ کتاب کی رائلٹی کے حقدار بھی ہوں تاکہ لوگوں میں تخلیقی کام کا جذبہ پیدا ہو اور انگریزوں کے دور سے لے کر اب تک قوم کے اعصاب پر سوار پیشہ ور مصنفین سے چھٹکارا مل سکے۔

۷۔ درسی کتب کی جانچ پڑتال اسلامی نظریاتی کونسل کے ذمہ ہو۔

## ۳۔ تعلیمی اداروں کی غیر نصابی سرگرمیوں اور سماجی مشاغل کی تشکیل نو

تعلیمی اداروں خصوصاً کالجوں اور یونیورسٹیوں میں غیر نصابی سرگرمیاں اور سماجی مشاغل بہت اہمیت رکھتے ہیں ۔ان سے طلباء کی اخلاقی تربیت اور تعمیر سیرت پر بڑا گہرا پڑتا ہے۔موجودہ صورت حال کا بے لاگ تجزیہ کیا جائے اور تعلیمی اداروں کے لیے سماجی مشاغل کا ایک ایسا مربوط پروگرام وضع کیا جائے جو اپنے اثرات کے لحاظ سے اسلامی سیرت وکردار پیدا کرنے میں معاونت کرے اور طلبہ کی ذہنی وجسمانی صلاحیتوں کو مفید اور پیداواری کاموں میں صرف کرے اس مقصد کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات مناسب نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔

ا۔ طلباء کی یونینز علمی وادبی سرگرمیوں پر زیادہ سے زیادہ زور دیں یعنی تعلیمی مباحثے، مذاکرے، تحریری وتقریری مقابلے صحت مند بنیادوں پر زیادہ سے زیادہ کروائے جائیں۔

۲۔ محکمہ تعلیم اور ملک کی انتظامیہ طلباء، اساتذہ اور تعلیم وتدریس کے دیگر مسائل کو الجھانے کی بجائے بروقت اور بغیر کسی مطالبے کے احسن طریقے سے سلجھائیں تاکہ طلباء میں ٹریڈ یونین قسم کے طرزِ عمل کی حوصلہ شکنی ہو۔

۳۔ تعلیمی اداروں کی طویل چھٹیوں کے ایام میں طلبہ کی افرادی قوت سے نفع بخش نتائج حاصل کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی جائے مثلاً:

ا۔ زراعت کے طلبہ اپنے اپنے علاقے میں واپس جا کر کسانوں کو جدید کھیتی باڑی کی تربیت دیں۔

ب۔ میڈیکل کے طلبہ اپنے علاقے کی عام آبادی کو صحت کی تعلیم اور حفظانِ صحت کے متعلق معلومات دیں۔

ج۔ انجینئرنگ کے طلبہ اپنے اپنے فیلڈ میں متعلقہ لوگوں کو رہنمائی فراہم کریں۔

د۔ عام تعلیم کے طلبہ دیہاتوں، فیکٹریوں وغیرہ میں ناخواندہ لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔

نیز رفاہِ عامہ کے کاموں مثلاً گلیوں کی صفائی، دیہاتوں میں نالیوں کو پختہ بنانا آمدورفت کے راستوں کی درستی، وبائی امراض کے کنٹرول میں معاونت، سکولوں، مساجد اور دیگر عوامی عمارتوں کی مرمت اور شجرکاری کی مہم وغیرہ میں حصہ لیں۔

اس مقصد کے لیے ہر تعلیمی ادارہ باقاعدہ منصوبہ بندی کرے اور اپنے ادارہ کی افرادی قوت کا تخمینہ لگائے۔ طلباء کے گروپ بنا کر مختلف فرائض ان کے ذمہ لگاتے جائیں ٹیوٹوریل سسٹم کے ذریعے سے ہر ٹیوٹر استاد اپنے شاگردوں کے کام کی نگرانی کرے ان سے کام کی رپورٹ لے اور تمام طلباء کی اجتماعی رپورٹ ادارے کے سربراہ کو پیش کرے۔

۴۔ طلباء میں نظم وضبط اور فوجی سپرٹ پیدا کرنے کی خاطر ہر طالب علم کے لیے این سی سی کی تربیت لازمی قرار دی جائے۔ فوجی تربیت کو سماجی مشاغل کا ہی ایک حصہ سمجھا جائے۔

۵۔ قدرتی آفات کی تباہ کاریوں کا بروقت مقابلہ کرنے کے لیے ہر تعلیمی ادارے میں اساتذہ کی زیر نگرانی طلبہ کے باقاعدہ ہمہ وقت تیار گروپ تشکیل دیئے جائیں جو کم سے کم وقت میں حرکت میں آسکیں اور انسانی خدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے فرائض کی انجام دہی میں لگ جائیں۔

۶۔ سکاؤٹنگ اور گرل گائیڈنگ جیسی غیر ملکی تحریکوں کو پاکستان کے تعلیمی اداروں میں ممنوع قرار دیا جائے۔ ان تحریکوں سے انسانی خدمت کا جذبہ تو شاید پیدا ہوتا ہو لیکن ان سے مسیحیت کا پرچار ہوتا ہے اور طلباء میں یہ تصور ابھرتا ہے کہ دین اسلام اور اس کے پیروکاروں میں انسانی خدمت، مصیبت زدوں کی امداد، نظم وضبط وغیرہ نام کی کوئی چیز نہیں اور اس قسم کی مفید عام تحریکوں کے بانی یورپ کی مہذب اقوام میں ہی ہوتے ہیں۔

## ۴۔ یکساں نظام تعلیم کا اہتمام

جس معاشرتی تبدیلی کے لیے ہم تعلیمی منصوبہ بندی پر غور کر رہے ہیں اس کے لیے ہمیں یہ سوچنا پڑے گا کہ ہمارے موجودہ معاشرے میں پبلک سکولوں، پرائیویٹ انگلش میڈیم سکولوں اور غیر ملکی مشنری سکولوں کی گنجائش کہاں تک ہے؟ کیا ایک اسلامی معاشرہ اپنی مستقبل کی نسل کی تربیت کے لیے مختلف نظامہائے تعلیم بیک وقت برداشت کر سکتا ہے؟ کیا ایسے معاشرے میں معاشی درجہ بندی کی بنیاد پر تعلیمی سہولتوں اور مواقع کی درجہ بندی قابل ستائش ہے؟ اگر ہم واقعی مذکورہ تبدیلی لانے میں مخلص ہیں تو مندرجہ بالا تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہوگا۔ ذہانت، رجحان طبع اور بچوں میں دیگر فطری اختلافات کی بنا پر خصوصی مدارس کا قیام تو کسی حد تک قابل فہم ہے لیکن طبعی سہولیات، فیسوں اور نصاب تعلیم کے لحاظ سے مختلف تعلیمی ادارے کسی طرح بھی اسلامی معاشرے میں قابل قبول نہیں ہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنے نئے تعلیمی منصوبہ میں یکساں تعلیمی نظام کا اہتمام کرنا پڑے گا۔ اور موجود دورنگی کو ختم کرنا ہوگا۔ علاوہ ازیں ہمیں موجودہ دینی تعلیم کے اداروں اور عام تعلیمی اداروں کے درمیان خلیج پاٹنا ہوگی اور ایک مرحلہ وار پروگرام کے تحت انہیں واحد نظام تعلیم کا رنگ دینا ہوگا۔

تعلیمی نظام کو یکسانیت کے ساتھ ساتھ قوم کے تمام بچوں اور جوانوں کے لیے تعلیم کے

یکساں مواقع بھی ضروری ہیں۔اس کے لیے حسب ذیل اقدامات سود مند رہیں گے:

۱۔ تمام درجات کی تعلیم بالکل مفت ہو۔مفت سے مراد یہ ہے کہ تعلیم کے جملہ اخراجات حکومت برداشت کرے۔اگر فی الحال یہ اقدام ممکن نہ ہوتو کم ازکم ابتدائی تعلیم کلیتاً مفت ہواوراس کے بعد کے درجات کے لیے ایک خاص حد سے کم ماہانہ آمدنی کے خاندانوں کے بچوں کو قابلیت کی بنیاد پر تعلیمی وظائف دیئے جائیں تاکہ کوئی بچہ محض تنگ دستی کی وجہ سے تعلیم سے محروم نہ رہے۔

## ۵۔ عوامی اورلازمی ابتدائی تعلیم کا اہتمام

موثر اور یقینی معاشرتی تبدیلی کے لئے ضروری ہے کہ ایک خاص معیار تک تعلیم سب افرادقوم کے لیے لازمی ہو۔اس کے لیے لازمی ابتدائی تعلیم اورخواندگی سے محروم ہر چھوٹے بڑے فرد کے لیے ابتدائی خواندگی کا انتظام کرنا پڑے گا،یہ عظیم مقصد حاصل کرنے کے لیے ہمیں روایتی طریقوں کوخیر باد کہنا ہوگا۔اورنئی راہیں تلاش کرنا پڑیں گی حسب ذیل تجاویز اس ضمن میں مفید ثابت ہوں گی۔

۱۔ ملک کی تمام مساجد کوابتدائی تعلیم کے مکاتب کے طور پر استعمال کیا جائے۔

۲۔ چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں مکمل پرائمری سکول کھولنے کی بجائے ’’پرائمری تعلیم کے حلقوں‘‘ کا نظام رائج کیا جائے یعنی ایک بڑے مرکزی گاؤں میں ایک مکمل پرائمری سکول ہواوراس کے اردگرد ایک مخصوص علاقہ میں مثلاً پانچ کلومیٹر نصف قطر کے رقبہ میں واقع باقی چھوٹے دیہات،ڈیروں اور ڈھوکوں میں دو یا تین جماعتوں پر مشتمل برانچ پرائمری سکول ہوں۔بعض دیہاتوں کی ضرورت کے مطابق وہاں مکمل پرائمری سکول بھی ہوسکتا ہے۔ اس حلقہ میں واقع تمام مسجدوں کے مکاتب، برانچ اورمکمل پرائمری سکول مرکزی گاؤں کے پرائمری سکول کےصدر معلم کی زیرنگرانی کام کریں۔ یہ صدر معلم ٹرینڈ گریجویٹ ٹیچر ہو۔

۳۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ریٹائرڈ اساتذہ،سویلین ملازمین،سابق فوجی اورزیادہ عمر کے اساتذہ متعین کیے جائیں تاکہ دیہاتوں میں خواتین اساتذہ کی نایابی پر قابو پایا جا سکے۔(بقیہ صفحہ نمبر ۱۶)

دینی تحریکیں مدیر

# تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاسؒ کی دینی فکر

مولانا مکمل دین یعنی دین کے سارے پہلوؤں بشمول معیشت، سیاست، معاشرت اور جہاد پر عمل کے داعی تھے اور تبلیغ کو اس کام کی الف ب ت سمجھتے تھے لیکن ایک صدی گزرنے کے بعد بھی موجودہ تبلیغی جماعت ابھی تک اسی الف ب ت پر مصر ہے اور اسی کو پورا دین سمجھتی ہے

ان دنوں ہم تبلیغی جماعت کے بنیادی لٹریچر کا مطالعہ کر رہے ہیں جو ہماری ایک زیرِ تدوین تصنیف کا ایک باب ہے۔ اس سے ہمارا جو ابتدائی تصور بنا ہے وہ یہ ہے کہ مولانا محمد الیاسؒ نے اپنے کام کی ابتداء اگرچہ کلمہ اور نماز سے کی لیکن ان کے پیش نظر سارے دین پر اور دین کے سارے شعبوں میں عمل کرنا تھا بشمول معیشت وسیاست ومعاشرت اور جہاد کے لیکن موجودہ تبلیغی جماعت میں یہ تصور معروف ومتداول نہیں ہے۔

## دین کا جامع تصور

مولانا دین کا جامع اور کلّی تصور رکھتے تھے اور دین کے سارے شعبوں پر عمل کے خواہاں تھے اور تبلیغ کو اس کام کی محض ابتداء سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں:

''ہماری اس تحریک کا مقصد ہے مسلمانوں کو "جمیع ماجاء به النبی ﷺ" سکھانا (یعنی اسلام کے پورے علمی وعملی نظام سے اُمت کو وابستہ کردینا)[۱] یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد۔ رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت سو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے، اور کلمہ اور نماز کی تلقین وتعلیم گویا پورے نصاب کی ''الف، ب، ت'' ہے۔''[۲]

مولانا نے میوات کے چند دینداروں کے نام ایک خط تحریر فرمایا تھا جس میں اس حقیقت کی وضاحت فرمائی تھی:

''دین کے ادارے اور جتنے بھی ضرورت کے اُمور ہیں ان سب (دینی امور) کے لیے

---

[۱] قوسین کی یہ عبارت ہماری نہیں بلکہ ملفوظات کے مرتب مولانا منظور نعمانیؒ کی ہے۔

[۲] ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ، ص ۳۱

تبلیغ (صحیح اصول کے ساتھ ملک ملک پھرتے ہوئے کوشش کرنا)، بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے لیے اور بمنزلہ بارش کے ہے اور دیگر جتنے بھی امور ہیں وہ اس زمین کے مذہب کے اوپر بمنزلہ باغات کی پرورش کرنے کے ہیں۔ باغات کی ہزاروں اقسام ہیں، کوئی کھجوروں کا ہے، کوئی اناروں کا ہے، کوئی سیبوں کا، کسی میں کیلے ہیں اور کوئی پھلواریوں کا باغ ہے۔ باغ ہزاروں چیزوں کے ہوسکتے ہیں لیکن کوئی باغ دو چیزوں کے اندر وری پوری کوشش کرنے کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ پہلی چیز زمین کا ہموار اور درست ہونا، زمین کے ہموار کرنے میں کوشش کیے بغیر یا زمین میں کوشش کرکے خود ان باغات کی مستقل پرورش کیے بغیر کسی طرح باغات پرورش نہیں پاسکتے، سو دِین میں تبلیغی اُمور کی کوشش یہ تو زمین کا مذہب ہے اور سب ادارے باغ ہیں۔ اب تک زمین مذہب ایسی ناہموار اور ہر طرح کی پیداوار اور باغات سے اس قدر نامناسب واقع ہورہی ہے کہ کوئی باغ اس پر نہیں لگتا۔''

مولانا کے نزدیک اس زمین کی درستی اور اس کی بنیاد کے استحکام سے پہلے کسی بعد کی چیز میں مشغول ہوجانا اور اس میں قوت و ہمت صرف کرنا اور اس سے اچھے نتائج کی امید کرنا غلطی تھی۔

ایک گرامی نامہ میں اپنے اس خیال کو اس طرح ظاہر فرماتے ہیں:

''جس قوم کی پستی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے لفظوں سے بھی گر چکی ہو وہ ابتداء سے درستی کیے بغیر انتہا کی درستی کے کب قابل ہوسکتی ہے؟ انتہاء ابتداء کے درست ہوئے بغیر نہیں ہوسکتی اس لیے میں نے درمیانی اور انتہائی خیالات بالکل نکال دیے ہیں۔ ابتدا درست ہو کر راستہ پر پڑ جائیں گے تو انتہاء پر خود ہی پہنچ جائیں گے اور ابتداء کے بگڑے ہوئے انتہاء کی درستی کا خیال ہوس اور بوالہوسی کے سوا کچھ نہیں۔''[۱]

ایک دفعہ فرمایا: ''مَیں سچ کہتا ہوں ابھی تک اصلی کام شروع نہیں ہوا، جس دن کام شروع ہوجائے گا تو مسلمان سات سو برس پہلے کی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے۔''[۲]

یعنی اگر تبلیغ کا حقیقی طور پر حق ادا کیا جائے تو مسلمان دوبارہ قوی ہوجائیں گے اور دنیا پر

---

[۱] مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، ص ۲۱۶، ۲۱۷

[۲] ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ، ص ۳۰

غالب آجائیں گے۔

## نفاذِ شریعت

مولانا محمد الیاسؒ کی دعوت میں دین و شریعت دونوں شامل تھے۔ وہ جس طرح دعوت وتبلیغ کے ذریعے ایمان وعبادات کی اصلاح و درستی کے لیے کوشاں رہے اسی طرح مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کو شریعت کے تابع کرنے کی بھی انہوں نے کوشش کی مگر اپنے اصول کے مطابق یعنی جہاں ایمان وعبادات کا کام ٹھیک ڈھنگ سے انجام پا جاتا وہاں وہ شریعت کے احکام کی تبلیغ وتنفیذ کی ہدایت فرماتے۔ اس کی ایک عمدہ مثال میوات ہے۔ تبلیغی کام اسی علاقے سے شروع ہوا اور جب ایک طویل جدوجہد کے بعد اطمینان ہو گیا کہ اس علاقہ کے لوگ اصولِ دین سیکھ چکے ہیں اور ان پر حتی الوسع عمل پیرا بھی ہیں تو مولانا نے اس علاقے میں شریعت کے نفاذ کی ہدایت کی اور فرمایا:

’’میں چاہتا ہوں کہ اب میوات میں فرائض (یعنی تقسیمِ میراث کے شرعی طریق) کو زندہ کرنے اور رواج دینے کی طرف خاص توجہ کی جائے اور اب جو تبلیغی وفود وہاں جائیں وہ فرائض کے باب کے وعدوں اور وعیدوں کو خوب یاد کر کے جائیں۔‘‘ [۱]

ایک مدرسہ کے ناظم صاحب کو اہلِ میوات کے متعلق لکھتے ہیں:

’’زیادہ زور اس امر پر دیا جائے کہ قوم اپنی پنچائتیں اور اپنے سب کاروبار اور سب فیصلے شریعت کے موافق کرنے ہی کو اسلام سمجھے ورنہ اسلام نہایت ناقص ہے بلکہ بسا اوقات احکامِ شرعیہ کی بے وقعتی اور بے رخی اور توہین کی بدولت اسلام جاتا رہتا ہے اور یقیناً کفر ہو جاتا ہے۔‘‘ [۲]

یہ ارشاد بھی ملاحظہ ہو:

’’میں اب میوات میں یہ بات پیدا کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے نزاعات کا فیصلہ اللہ اور

---

[۱] ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ، ص ۱۰۴

[۲] مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، ص ۲۳۳

اس کے رسول سے تعلق رکھنے والوں سے اور شریعت کے مطابق کرائیں۔ اوران کا جذبہ یہ ہو کہ اللہ ورسول سے تعلق رکھنے والوں کے فیصلے سے اگر آدھا بھی ملے تو وہ سراسر رحمت و برکت ہے اور خلاف شریعت فیصلہ کرنے والے سارا بھی دلوائیں تو وہ سراسر وبال اور بے برکت ہے۔''(۱)

جو علماء احکام ومسائل کی تبلیغ واشاعت میں دلچسپی رکھتے تھے ان کو دعوت دی کہ وہ میوات میں یہ کام انجام دیں اور میواتی معاشرہ میں رائج خلاف دین رسوم کی اصلاح کریں۔ فرمایا:

''فلاں صاحب اوران کے اہل حلقہ کی نظر میں خاص طور پر شریعت کے فلاں فلاں خاص احکام کی ترویج اور رسومِ بد کی اصلاح بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے تو ایسے حضرات کے ساتھ طریقۂ عمل یہ ہونا چاہیے کہ میوات میں ان احکام ومسائل کی کوشش اور اصلاحِ رسوم کی سعی کے واسطے ہی اٹھایا جائے۔ ابھی تک میوات میں ترکہ کی تقسیم کے بارہ میں بھی بڑی کوتاہی ہے، شریعت کے مطابق ترکہ تقسیم کرنے کا رواج بہت کم ہوسکا ہے۔ ایسے ہی اور بھی بہت سی بری رسمیں بھی رائج ہیں مثلاً ابھی تک گوتھ میں شادی کرنے کا رواج نہیں ہوا ہے۔''(۲)

## مولانا کا تصورِ سیاست

مولانا کا خیال تھا کہ جب تک مسلمان اپنی ذاتی زندگی میں اسلام پر عمل نہیں کرتے وہ اجتماعی زندگی میں اسلام نافذ کرنے کے اہل ہی نہیں ہوسکتے نیز مولانا تبلیغ ودعوت کے کام کو سیاسی کام سے پہلے کرنے کے قائل تھے کیونکہ اس کے بغیر مسلمانوں میں اجتماعی سیاسی زندگی میں اسلام پر عمل کی صلاحیت ہی پیدا نہ ہوسکتی تھی۔ ایک دفعہ انہوں نے فرمایا:

''اللہ کے احکام اور اوامر ونواہی کی حفاظت ورعایت جب کہ تم اپنی ذات اور اپنی منزلی زندگی میں نہیں کررہے ہو (جس پر تمہیں اختیار حاصل ہے اور کوئی مجبوری نہیں ہے) تو دنیا کا

(۱) ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ، ص۱۰۶، ۱۰۷

(۲) ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ، ص۷۹

نظم ونسق کیسے تمہارے حوالہ کر دیا جائے ایمان والوں کو حکومت ارضی دینے سے تو منشاء الٰہی یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی مرضیات اور اس کے احکام کو دنیا میں نافذ کریں تو تم جب اپنے حدود اختیار میں آج یہ نہیں کر رہے ہو تو دنیا کی حکومت تمہارے سپرد کر کے کل کے لیے تم سے اس کی اُمید کی جا سکتی ہے۔‘‘[۱]

یہی وجہ ہے کہ مولانا حکومت کو مطلوب نہیں موعود سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں:

’’کبھی حکومت یا اور کسی قسم کا سیاسی اقتدار مسلمانوں کا مقصد نہیں ہوسکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے راستہ پر چلتے ہوئے اگر حکومت مل جائے تو اس سے ہمیں ہٹنا نہیں لیکن یہ ہمارا مقصد ہرگز نہیں بس اس راہ میں ہمیں سب کچھ بلکہ جان تک بھی لٹا دینا ہے۔‘‘[۲]

اس نقطۂ نظر کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا ’’دین کے کاموں میں اصل مطلوب اور مقصود تو ہونا چاہیے صرف رضاء الٰہی اور اجر اُخروی اور دنیا میں جن انعامات اور برکات کا وعدہ کیا گیا ہے مثلاً چین کی اور عزت کی زندگی یا مثلاً استخلاف اور تمکین فی الارض سو یہ مطلوب نہیں بلکہ موعود ہیں یعنی ہم کو جو کچھ کرنا ہے وہ کرنا تو چاہیے صرف رضائے الٰہی اور فلاح اخروی کے لیے مگر یقین رکھنا چاہیے اللہ کے ان مواعید پر بھی (بلکہ ان کے لیے دعائیں بھی کرنا چاہئیں مگر ان کو اپنی عبادت واطاعت کا اصل مقصود نہیں بنانا چاہیے)۔ موعود اور مطلوب کے اس فرق کو آپ لوگ اس مثال سے شاید اچھی طرح سمجھ سکیں کہ نکاح وشادی سے مقصود تو بیوی کا حصول اور اس سے تمتع ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ آتا ہے جہیز وغیرہ بھی جو گویا عرفاً موعود ہوتا ہے لیکن ایسا بیوقوف دنیا میں شاید ہی کوئی ہو جو شادی ہی صرف جہیز حاصل کرنے کے لیے کرے.... اور اگر بالفرض کوئی ایسا کام کرے اور بیوی کو معلوم ہو جائے کہ اس نے شادی میرے لیے نہیں کی بلکہ میرے ساتھ آنے والے جہیز کے لیے کی ہے تو سوچو کہ بیوی کے دل میں اس کے لیے کتنی جگہ رہے گی۔‘‘[۳]

---

[۱] ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ، ص ۳۱

[۲] ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ، ص ۱۸

[۳] ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ، ص ۶۵، ۶۶

## سیاست سے پہلے دعوت وتبلیغ

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنی تصنیف ''حضرت مولانا محمد الیاسؒ اوران کی دینی دعوت'' میں کہتے ہیں:

''مولانا دین کے تمام کاموں میں ایمان اور مذہب کے اصول وارکان کے لیے جدوجہداورتبلیغ ودعوت کومقدم سمجھتے تھےاوران کےنزدیک انہی چیزوں سے پورے دین کے اخذکرنے اور پوری شریعت پرعمل کرنے کی قابلیت وقوت اُبھرتی ہے،اسی طرح عبادات کی درستی اورحکومت کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اور دین کی دعوت کی کامیابی اوراس میں پوری جدوجہد سے سیاست کی قابلیت ابھرتی ہے۔جس سیاست کی بنیاد دعوت پرنہیں ہے وہ سیاست بے بنیاداورمتزلزل عمارت ہے۔

سیاست سے یہاں مرادکسی کام کوقوت اوراقتدارسےاورکسی ضابطہاورنظام کےذریعہ کرانااوردعوت سے مرادمحض تشویق اورترغیب اورکسی چیزکےمنافع اورفضائل بتاکراس پر شوق سےآمادہ کرناہے۔

مولانا کاایک مستقل نظریہ بلکہ اسلامی تاریخ کا مولانا کے ذہن میں ایک خلاصہ تھا کہ اس امت سےصدیوں سےسیاست کی قوت واہلیت سلب ہوچکی ہے۔اب مدتوں پورےصبر وضبط کےساتھ دعوت کےاصول پرکام کرنے کی ضرورت ہےاس کے بعدمسلمانوں میں نظم واطاعت کی قابلیت،اپنےنفس کی خواہشات اوراپنےمصالح ومنافع کے برخلاف کسی ضابطہاو رقانون کی پابندی میں کام کرنے کی قوت پیدا ہوگی۔سیاست کی تھوڑی سے مقدار کے لیے دعوت کی بہت بڑی مقدار چاہیے۔دعوت میں جس قدرکمزوری ہوگی اورجس قدراس مرحلہ میں عجلت وتیزرفتاری سےکام لیاجائےگا،سیاست میں اسی قدرخامی،جھول اوربھراؤہوگا۔یاتووہ سیاست وجودمیں نہ آسکےگی یاوجودمیں آجانےکےبعداس کی عمارت زمین پرآرہےگی۔

واقعہ بھی یہی ہے۔خلافتِ راشدہ کی قوتِ امرونظم اورمسلمانوں کاضبط ونظام اورتعمیلِ حکم کی قوت نتیجہ تھی اس طویل دعوت کا جونبوت کے پہلےسال سےشروع ہوکرخلافت راشدہ تک

قائم رہی اور بعد کا ضعف اور جماعتی زوال کا نتیجہ تھا دعوت سے اس تغافل کا جو خلافتِ بنی امیہ اور بنی عباس میں پیدا ہو گیا تھا۔

مولانا حضرت حسنؓ کا ایک فقرہ اکثر دہراتے تھے جو آپ نے حضرت حسینؓ سے بطریق وصیت فرمایا تھا کہ اب اس اُمت کا کام بطریق دعوت ہوگا۔

مولانا نے کسی ایسی جماعت میں شرکت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا جس کا کام محض ضابطہ و سیاست اور افسری و ماتحتی کے اصول سے ہو اور آپ کے نزدیک موجودہ اختلافات، انتشار اور خرابیوں کا سبب ہی یہ تھا کہ دعوت سے پہلے سیاست شروع کر دی گئی ہے اور دینی کام کو مغربی سیاست و تنظیم کے طریق سے کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔[۱]

## معیشت

ایک دوست کو جو غالباً مسلمان اہلِ حرفہ و اہلِ صنعت کی دینی اصلاح و ترقی کے خواہشمند تھے، تحریر فرمایا:

''اس بندۂ ناچیز کی نظر کے اندر وہ تبلیغ جس کے لیے آپ کو بھی بلایا تھا اور خود بھی کوشاں ہے، اس کا منتہا دنیا کے مسلمانوں میں صنعت و حرفت، زراعت و تجارت کو شریعت کے ماتحت اور اس کے مطابق کرنا ہے۔ تبلیغ کی ابجد الف ب ت عبادات سے ہے اور عبادات کے کمال کے بغیر ہرگز معاشرت اور معاملات تک اسلامی امور کی پابندی نہیں پہنچ سکتی۔ سو مخلصین کی صحیح اسکیم یہ ہونی چاہیے کہ تبلیغ کی ابجد الف ب ت یعنی عبادات کو دنیا میں پھیلانے کی اسکیم شروع کر کے اس کے منتہا پر پہنچانے کی کوشش میں لگ جائیں۔ معاملات و معاشرت اور باہمی اخلاق کی اصلاح و درستی کے ذریعہ سیاست نامہ تک رسائی ہوگی۔ اس کے سوا کسی جزئیات میں پڑ جانا اپنے سرمایۂ درد کو شیطان کے حوالے کر دینے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ تو میروی بترکستان است[۲]

[۱] مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، ص ۲۲۳، ۲۲۴

[۲] مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، ص ۲۹۹، ۳۰۰

## معاشرت

دین میں حقوق العباد کی جو اہمیت ہے، اس کے متعلق مولانا محمد الیاسؒ فرماتے ہیں:

''ان چیزوں کا اجر یعنی بڑوں، چھوٹوں کے حقوق کی رعایت کا اجر (جس کا وسیع نام اصلاح ذات البین ہے) ارکان سے کم نہیں ہے بلکہ زیادہ ہی ہے۔ ارکان کی رکنیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے جو زندگی چاہتے ہیں وہ ان ارکان سے پیدا ہو سکتی ہے نیز اس اصلاح ذات البین کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے حق میں شفیق و کریم اور رؤف ورحیم ہے، اس کے کرم سے تو معافی ہی کی اُمید زیادہ ہے، لیکن بندے تو ایسے ہی ہیں جیسے کہ تم خود ہو، لہٰذا ان کے حقوق کی ادائیگی کا معاملہ نہایت اہم ہے۔''[۱]

مولانا نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ حقوق العباد کی ادائیگی کے بغیر کوئی مومن جنت میں داخل نہ ہوگا اس لیے کہ جنت جس چیز کا نام ہے وہ حقوق کا بدلہ ہے۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:[۲]

''جنت حقوق کا بدلہ ہے۔ یعنی تکلیف برداشت کرکے دوسروں کے حقوق ادا کیے جائیں (جن میں حقوق اللہ بھی شامل ہیں) تو اسی کا بدلہ جنت ہے حدیث میں ارشاد ہوا ہے: ارحموا من فی الارض یرحمکم مَن فی السمآء ''تم زمین والوں پر رحم کھاؤ آسمان والا ربّ تم پر رحمت فرمائے گا۔''

## بیعتِ جہاد

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے آپ کی سوانح میں لکھا ہے کہ:

''ذکر و اشغال، نوافل و عبادت کے ساتھ شروع سے مجاہدانہ جذبات سینے میں موجزن تھے، اور جاننے والے جانتے ہیں کہ اس جذبہ و شوق اور اس عزم و نیت سے آپ کی زندگی کا کوئی دور خالی نہیں رہا، اسی کا نتیجہ تھا کہ مولانا محمود حسنؒ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی۔''[۳]

(بقیہ صفحہ نمبر ۶)

---

[۱] ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ، ص ۱۲۹

[۲] ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ، ص ۲۲

[۳] مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، ص ۵۵

اسلام اور مغرب

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی [۱]

# تفسیرِ قرآن اور مصنوعی ذہانت

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا پاک کلام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے انسان وجنات کی رہنمائی کے لیے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل فرمایا۔ قرآن پاک کا مفہوم وہی معتبر اور صحیح ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے سمجھا ہو۔ قرآن پاک کی تفسیر کا کام نہایت احتیاط کا متقاضی ہے اور ہر کس و ناکس کا یہ کام نہیں کہ وہ محض قرآنی تراجم پڑھ کر عقلی طور پر قرآن پاک کی تفسیر وتشریح کرنے بیٹھ جائے۔ اگر کوئی شخص محض اپنی عقل کے بل بوتے پر قرآن کا مفہوم سمجھے اور پھر اس کو منشاء الٰہی قرار دے تو اس کو قرآن دشمنی پر محمول کیا جائے گا۔ نیز اگر کوئی چاہے کہ لغت کی کوئی کتاب لے کر بیٹھ جائے، اور اس میں الفاظ کے معنی دیکھ دیکھ کر قرآن کا مفہوم سمجھنا شروع کرے تو قیامت تک قرآن کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتا۔

آج کل مصنوعی ذہانت کا بہت چرچا ہے اور یہ بات عوام میں پھیلائی گئی ہے کہ مصنوعی ذہانت کے سسٹم انسانی ذہانت سے کہیں آگے نکل چکے ہیں۔ مصنوعی ذہانت کے عنوان سے دین اور دینی علوم کی اساس کو نشانہ بنانے کی کوششیں اپنے عروج پر ہیں۔ باطل قوتوں کی یہ کوشش اور سوچ ہے کہ مصنوعی ذہانت یعنی آرٹیفیشل انٹیلیجنس کا استعمال کرتے ہوئے قرآن پاک کی جدید تفسیر وترجمہ کیا جائے۔ اس کے لیے براہ راست اگر یہود ونصاریٰ کو استعمال کیا جائے گا تو مسلمانوں میں اس تفسیر وترجمہ قرآن کہ مقبولیتِ عامہ نہ مل سکے گی البتہ اگر یہی تفسیر وترجمہ کسی مسلمان، بالخصوص برصغیر پاک وہند سے تعلق رکھنے والے مسلمان نے کیا ہو تو اس تفسیر وترجمۂ قرآن کو برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں میں مقبولیت ملنے کے زیادہ امکانات ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم مسلمانوں ہی میں سے کچھ صاحبانِ علم، باطل قوتوں اور مستشرقین کے غیر دانستہ طور پر آلہ کار بن رہے ہیں اور مصنوعی ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے قرآن پاک کی تفسیر وترجمہ پر کام کر رہے ہیں اور ایسے سوالات اٹھا رہے ہیں جو بالکل نئی طرز

[۱] منسٹر ٹیکنالوجیکل یونیورسٹی، آئرلینڈ

کے ہیں۔ گو کہ ایسے حضرات بڑے اخلاص سے ان باتوں کی ترغیب دیتے ہیں کہ ہم تو مصنوعی ذہانت کی ٹیکنالوجی کو قرآن فہمی کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور مصنوعی ذہانت کو علومِ قرآن میں استعمال کر کے کئی فوائد حاصل کیے جاسکتے ہیں مثلاً اس سے مدارسِ دینیہ کے طلبائے کرام میں علم تفسیر میں علمی رسوخ، استعداد اور صلاحیت بڑھے گی مگر حقیقت حال یہ ہے کہ چونکہ ایسے لوگوں کو سائنسی علوم میں رسوخ نہیں، مصنوعی ذہانت کی تکنیکی باریکیوں وخامیوں کا علم نہیں، غالباً اسی وجہ سے وہ نادانستہ طور پر مصنوعی ذہانت کو قرآن فہمی میں استعمال کرنے کو فروغ دے رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ملکی و عالمی سطح پر ایسی کوششیں جاری ہیں کہ کسی طریقے سے مصنوعی ذہانت کو علوم قرآنی میں استعمال کیا جائے۔

اس مضمون میں ہم مفہوم قرآن اور مصنوعی ذہانت سے متعلق کچھ سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کریں گے۔ اوّل، مصنوعی ذہانت کے علومِ قرآنی میں استعمال سے کیا مراد ہے؟ دوم: مصنوعی ذہانت میں کتنی ذہانت ہے؟ سوم: کیا مصنوعی ذہانت سے قرآن کا صحیح مفہوم سمجھا جاسکتا ہے؟ چہارم: کیا مصنوعی ذہانت سے قرآن پاک کا ترجمہ وتفسیر کی جاسکتی ہے اور کیا ایسا ترجمہ وتفسیر مسلمانوں کے نزدیک معتبر ٹھہرے گا؟

## مصنوعی ذہانت کے علوم قرآنی میں استعمال سے مراد

قارئین کے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ کمپیوٹر تو سہولت لے کر آیا ہے اور کمپیوٹر کے استعمال سے تو علومِ قرآن کی خدمت کی گئی ہے۔ مثلاً قرآن پاک کی طباعت کے اندر کمپیوٹر کے استعمال سے کس قدر اُمت کو فائدہ حاصل ہوا ہے۔ کمپیوٹر کے استعمال سے کسی خاص آیت، مضمون، یا حرف کو قرآن پاک میں ڈھونڈنا کتنا آسان ہو گیا ہے۔ لیپ ٹاپ یا موبائل فون پر کوئی قرآن پاک کی ایپلی کیشن کھولیے، کسی بھی آیت تک سیکنڈوں سے بھی کم وقت میں پہنچ جایئے، اُس آیت کی شانِ نزول اور تفسیر مع حوالہ جات دیکھے جاسکتے ہیں۔ کمپیوٹر کی مدد سے مختلف قراءات میں قرآن کی تلاوت سنی جاسکتی ہے۔

مصنوعی ذہانت میں ہونے والی ترقی کو مختلف طریقوں سے علوم القرآن میں استعمال کیا جارہا ہے مثلاً مختلف قاری حضرات کی تلاوت آڈیو میں موجود ہو تو مصنوعی ذہانت کے ذریعے

پتہ چلایا جاسکتا ہے کہ کونسی قراءت کس قاری نے کس لہجے میں کی ہے۔ آج کل تو مصنوعی ذہانت کے ایسے سافٹ ویئر دستیاب ہیں جن میں اگر کوئی شخص قرآن پاک کی تلاوت کرے تو کمپیوٹر یا موبائل سکرین پر وہ سافٹ ویئر تلاوت کی گئی قرآنی آیات لکھنا شروع کردے گا۔ جیسے جیسے وہ شخص تلاوت کرتا جائے گا، کمپیوٹر سکرین پر وہ قرآنی آیت لکھتی چلی جائے گی، اگر کہیں غلطی ہوگی تو اس کی نشاندہی کردے گی۔ اس طرح کے سافٹ ویئر بنانے والے یہ دعویٰ کررہے ہیں کہ اُن کی تیار کردہ ایپلی کیشن قرآن پاک حفظ کرنے والوں کو حفظ قرآن میں مدد فراہم کرے گی۔ نیز مصنوعی ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے اگر کوئی قاری کسی آیت کے پہلے حصے کی تلاوت کررہا ہے تو اگلہ جملہ یا لفظ کون سا آئے گا، یہ صلاحیت بھی آج کل سافٹ ویئر کے اندر موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر مصنوعی ذہانت سے قرآن پاک سے متعلق مختلف آراء، تفاسیر اور تراجم، چند لمحوں میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں بلکہ یہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر ان کا تجزیہ بھی پیش کردیتے ہیں۔

مصنوعی ذہانت سے متاثر ہوکر بعض لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ ’’مصنوعی ذہانت ہمیں قرآن کے ایسے پہلوں کو سمجھنے میں مدد کرسکتی ہے جو پہلے اوجھل تھے۔ اس سے ہر زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا جاسکتا ہے جس سے دنیا بھر کے لوگ قرآن کو اپنی زبان میں سمجھ سکتے ہیں‘‘۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنوعی ذہانت کے علوم قرآنی میں استعمال سے ہماری کیا مراد ہے؟ کیا مصنوعی ذہانت کو علوم قرآن میں استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کیا جاسکتا ہے تو پھر مفتیانِ کرام اس کی حدود و قیود کیا بتاتے ہیں؟ اگر نہیں کیا جاسکتا تو کیوں نہیں کیا جاسکتا؟ نیز بطور کمپیوٹر سائنسدان ہم کیوں یہ کہہ رہے ہیں کہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر کو دینی علوم بالخصوص قرآنِ پاک کی تفسیر و ترجمہ کے لیے ہرگز ہرگز استعمال نہ کیا جائے؟

قارئین پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ مصنوعی ذہانت کو علوم القرآن میں ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر خود سے مواد بنارہے ہوتے ہیں۔ ’’خود سے مواد‘‘ بنانے سے مراد یہ نہیں ہے کہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر میں کوئی اشرف المخلوق انسانوں جیسی تخلیقی صلاحیت و ذہانت آگئی ہے بلکہ مصنوعی ذہانت کے سسٹم بالخصوص ’لارج لینگوتج ماڈلز‘ چونکہ ’’اگلے ٹوکن کی پیشین گوئی‘‘ کی بنیاد پر کام کرتے ہیں یعنی اگلے جملوں کی پیشینگوئی

کرر ہے ہوتے ہیں لہٰذا ان سافٹ وئیر کا کام کرنا قطعی طور پر بھی انسانوں کے سوچنے، سمجھنے اور انسانی ذہانت کے برابر نہیں ہوسکتا۔ الغرض، سائنسدانوں اور مصنوعی ذہانت کے ماہرین کے مطابق مصنوعی ذہانت کے ان کمپیوٹر پروگرامز کو انسانی ذہانت کے برابر تسلیم کرلینا سائنسی وتکنیکی طور پر درست نہیں۔

جب ہم مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیرز سے قرآن پاک کا ترجمہ وتفسیر یا خلاصہ وتجزیہ کروار ہے ہوتے ہیں تو دراصل مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر یہ ترجمہ، تفسیر یا تجزیہ ’’اگلے حُروف کی پیشین گوئی‘‘ کی بنیاد پر کرتے ہیں اور اس ترجمہ، تفسیر، تجزیہ، خلاصہ وغیرہ سے عام انسان کو یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ سافٹ وئیر خود سے کوئی بہت ہی زیادہ ذہانت والا مواد تخلیق کرر ہے ہیں۔ دیکھیے اگر کمپیوٹر میں ہم قرآن پاک کی کئی عربی تفاسیر مثلاً تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی اور تفسیر ابی المسعود اور پھر متاخرین علماء کی اُردو تفاسیر مثلاً معارف القرآن، بیان القرآن، تفسیر عثمانی اور آسان تفسیر قرآن از حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مہیا کردیں اور پھر کوئی کسی آیت کا کمپیوٹر سے ترجمہ پوچھے اور پھر کمپیوٹر، مصنوعی ذہانت کا استعمال کرتے ہوئے، ہمیں اس آیت کی تفسیر اور ترجمے ان تمام پہلے سے کمپیوٹر کو مہیا کی گئی تفاسیر سے لا کر دکھا دے تو علمائے کرام کے مطابق ایسا کرنا درست ہے اور اس طرح سے کمپیوٹر اور مصنوعی ذہانت سے علوم القرآن میں استفادہ کرنا درست ہے۔ اس کے برعکس اگر مصنوعی ذہانت کے پروگرامز کمپیوٹر میں مہیا کی گئی تمام تفاسیر، حتیٰ کہ پوری دنیا میں قرآن پاک کی جتنی تفاسیر آج تک لکھی گئی ہیں، ان سب سے استفادہ کرے، اور پھر مصنوعی ذہانت خود سے ’’آگے حروف کی پیشین گوئی‘‘ کی بنیاد پر اپنا تخلیق کردہ ترجمہ وتفسیر تیار کرے تو علمائے کرام کے مطابق ایسی کوئی بھی کوشش کسی بھی درجے میں قابل قبول نہیں۔ بس آج کل کے مصنوعی ذہانت کے پروگرامز وسافٹ وئیر مثلاً چیٹ جی پی ٹی وغیرہ کی یہی وہ صلاحیت اور طریقہ کار ہے جس کی جانب ہم اپنے اس مضمون میں قارئین کو توجہ دلا رہے ہیں۔

## مصنوعی ذہانت میں کتنی ذہانت ہے؟ کیا مصنوعی ذہانت انسانی ذہانت سے تجاوز کرجائے گی؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنوعی ذہانت میں کتنی ذہانت ہے؟ اور کیا مصنوعی ذہانت کے

سسٹم انسانی ذہانت سے کہیں آگے نکل چکے ہیں یا نکلنے والے ہیں اور کیا مصنوعی ذہانت کے پروگرام (اور روبوٹس یا مشین) مستقبل میں اتنی ذہین ہو جائیں گی کہ انسانیت کو اس سے خطرہ لاحق ہو جائے گا؟ ان سوالات کا جواب ہم مصنوعی ذہانت کے ماہرین کمپیوٹر سائنسدانوں کی آراء کو سامنے رکھ کر سمجھتے ہیں۔

آج کل جو مصنوعی ذہانت کا چرچا ہمیں نظر آتا ہے کہ اس کی تکنیکی اساس اور نبیادیں رکھنے والے سائنسدانوں میں پروفیسر یان لی کن Prof Yann LeCun شامل ہیں۔ یہ پروفیسر ان کمپیوٹر سائنسدانوں میں شامل ہیں جن کے سائنسی تحقیقی کاموں کی بدولت انہیں ''بابائے مصنوعی ذہانت'' بھی کہا جاتا ہے۔ انہیں کمپیوٹر سائنس کی دنیا کا سب سے بڑا ایوارڈ یعنی ٹیورنگ ایوارڈ (Turing Award) ۲۰۱۸ء میں دیا گیا۔ ٹیورنگ ایوارڈ کو کمپیوٹر سائنس کا نوبل پرائز بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کمپیوٹر سائنسدان دراصل ''نیورل نیٹ ورک'' مصنوعی ذہانت کا ایک شعبہ کے بانیوں میں شمار کیے جاتے ہیں، جس کی بنیاد پر بغیر ڈرائیور کے چلنے والی گاڑیاں (Self-Driving Car) اور چیٹ جی پی ٹی کام کرتے ہیں۔ پروفیسر یان لی کن فرانسیسی نژاد امریکی کمپیوٹر سائنسدان ہیں اور نیو یارک یونیورسٹی، امریکہ میں اپنی خدمات انجام دیتے ہیں۔ یہ میٹا کمپنی (فیس بک کا نیا نام) میں چیف اے آئی سائنٹسٹ ہیں۔ اس کے ساتھ یہ اے سی ایم فیلو (ACM Fellow) بھی ہیں۔ نیچر جرنل، جو کہ دنیا کے بہترین سائنسی جرائد میں سے ایک سائنسی جریدہ ہے، میں ان کا ۲۰۱۵ء میں چھپنے والا ''ڈیپ لرننگ'' کے موضوع پر سائنسی تحقیقی مقالہ مصنوعی ذہانت کے بنیادی مآخذ میں سے ایک ہے جس کو سائنسی دنیا میں بہت زیادہ پذیرائی ملی۔

مشہور کاروباری شخصیت اور سرمایہ کار ایلون مسک، جو کہ ٹیسلا اور اسپیس ایکس کے بانی بھی ہیں، ان سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ کچھ ہی عرصے میں لارج لینگویج ماڈلز جیسے چیٹ جی پی ٹی انسانی ذہانت کو پیچھے چھوڑ دے گی، جسے ''آرٹیفیشل جنرل انٹیلیجنس'' (Artificial General Intelligence) یعنی ''مصنوعی عمومی ذہانت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ مصنوعی ذہانت اور روبوٹس اتنے ذہین

ہوجائیں گے کہ ان کوکنٹرول کرنا انسان کے بس سے باہر ہوجائے گا۔ جبکہ اس کے برعکس پروفیسر یان لی کن کہتے ہیں:

"Many of them are banking on the idea that today's large language modelbased AIs, like those from OpenAI, are on the near-term path to creating socalled "Artificial General Intelligence," or AGI, that broadly exceeds human level intelligence.

OpenAI's Sam Altman last month said we could have AGI within "a few thousand days." Elon Musk has said it could happen by 2026.

LeCun says such talk is likely premature. When a departing OpenAI researcher in May talked up the need to learn how to control ultra-intelligent AI, LeCun pounced. "It seems to me that before 'urgently figuring out how to control AI systems much smarter than us' we need to have the beginning of a hint of a design for a system smarter than a house cat," he replied on X."

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ فوری طور پر یہ معلوم کرنے سے پہلے کہ مصنوعی ذہانت کے پروگرامز جوکہ ہم انسانوں سے زیادہ ذہین ہوں کہ کیسے کنٹرول کیا جائے، ہمیں ضرورت ہے کہ کوئی ایسا اشارہ ملے کہ کسی طریقے سے ایسا مصنوعی ذہانت کا نظام بنایا جائے جس میں گھریلو بلی جتنی ذہانت ہو۔"

پروفیسر یان لی کن کہتے ہیں گوکہ مصنوعی ذہانت کے کمپیوٹر پروگرامز (الگورتھم) بہت طاقتور ہیں مگر وہ نہیں سمجھتے کہ مصنوعی ذہانت سے انسانیت کو کوئی خطرہ لاحق ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ موجودہ مصنوعی ذہانت کسی بھی معنوں میں ذہین نہیں ہے۔[1] نہایت اہم بات یہ ہے کہ مصنوعی ذہانت کے کمپیوٹر پروگرامز (الگورتھم) بنانے والے ہی یہ

[1] This AI Pioneer thinks AI is dumber than a cat, Wall Street Journal. Link: https://www.wsj.com /tech/ai/yann -lecun- ai-metaaa 59e2f5?st=Hgy9o

کہتے ہیں کہ مصنوعی ذہانت کے اندر ایک عام سے جانور یعنی بلی جتنی بھی ذہانت نہیں ہے۔

"LeCun also has publicly disagreed with Hinton and Bengio over their repeated warnings that AI is a danger to humanity.

At the same time, he is convinced that today's AIs aren't, in any meaningful sense, intelligent.

He likes the cat metaphor. Felines, after all, have a mental model of the physical world, persistent memory, some reasoning ability and a capacity for planning, he says. None of these qualities are present in today's "frontier" AIs, including those made by Meta itself.

Today's models are really just predicting the next word in a text, he says. But they're so good at this that they fool us. And because of their enormous memory capacity, they can seem to be reasoning, when in fact they're merely regurgitating information they've already been trained on."[1]

''گھریلو پالتو بلی کے اندر جو صلاحیت، صفات اور ذہانت پائی جاتی ہے جیسے وہ اپنے دماغ میں حقیقی دنیا کا ایک ماڈل بناتی ہے، اس کی قائم رہنے والی یادداشت، اس کی استدلال کی صلاحیت اور منصوبہ بندی کی استعداد، یہ سب چیزیں مروجہ مصنوعی ذہانت کے ماڈلز میں نہیں پائی جاتیں حتی کہ ''میٹا'' کمپنی کے اپنے بنائے گئے ماڈلز میں بھی نہیں۔''

''آج کل کے منصوعی ذہانت کے ماڈلز صرف متن کے اگلے حروف کی پیشین گوئی کرتے ہیں لیکن وہ ایسا کرنے میں اتنے اچھے ہیں کہ وہ ہمیں بیوقوف بناتے ہیں اوران کی یاداشت کی بہت زیادہ صلاحیت کی وجہ سے وہ استدلال کرتے دکھائی دے سکتے ہیں، جبکہ درحقیقت وہ محض معلومات اگل رہے ہوتے ہیں (یعنی معلومات کو دہرا رہے ہوتے ہیں بغیر تجزیہ یا سمجھے ہوئے) جس کی وہ پہلے ہی تربیت پا چکے ہوتے ہیں۔'' (جاری ہے)

[1] This AI Pioneer thinks AI is dumber than a cat, Wall Street Journal. Link: https://www.wsj.com/tech/ai/yann-lecun -ai-metaaa 59e2f5? st=Hgy9o

اسلام اور مغرب

حافظ ڈاکٹر عثمان احمد [۱]

# جمہوریت کفر ہے.... لیکن

## مسلم خطوں میں علماء اور عوام کے سامنے اس مبحث کو اٹھانا غیر متعلق ہے

## مدیر البرہان کا اس مضمون پر نقد

اہلِ علم ناقدین مغربی جمہوریت کو کفر کہتے ہیں۔ مغرب کے جمہوری اصولوں کو کفر کہیں بے شک، مغرب کی اور کون سی چیز اسلامی ہے جو صرف جمہوریت ہی کفر ہے۔ مغرب سارے کا سارا کفر ہے۔ صرف جمہوریت میں کوئی خاص کفر نہیں ہے جو مغرب کے باقی نظریات میں نہیں ہے۔ نہ ہی اہل مغرب کا دعویٰ یا استدعا ہے کہ ان کے افکار و نظریات کو اسلام سمجھا جائے یہ تو بعض ایسے مسلمان دانشوروں کا مسئلہ ہے۔

ہم تو کہتے ہیں جدید مغرب کی تیار کردہ کوئی دوا اُٹھالیں جو بڑی تحقیقات اور لاکھوں ڈالر کے ریسرچ پراجیکٹس کا نتیجہ ہوتی ہے، اس کے متعلق دس بیس ''سائیڈ ایفیکٹس'' لکھے ہوتے ہیں۔ جس مغرب کی اعلیٰ درجے کی تحقیقات سے بنائی جانے والی ''مادی اشیا'' کا یہ حال ہے، تو اس کے نظام ہائے فکر کے سائیڈ ایفکٹس کا نہ جانے کیا حال ہوگا کہ وہ قلوب کو کیسا گدلا کرتے ہوں گے اور اذہان کو کتنا مسخ کرتے ہوں گے؟

ہم عرض گزار ہیں کہ یہ اہلِ علم جب مسلمان خطوں میں رائج جمہوریت پر حکم لگائیں تو یہاں کے اہل علم وعوام کے احوال وافکار کو مدنظر رکھیں۔ یہ نہیں کہ جمہوریت کیا ہے؟ کا حوالہ وثبوت مغرب کی کتبِ سیاسیات سے دے کر، اس پر کفر کا حکم لاہور کے شادباغ اور بھگت پورہ وغیرہ کے عوام پر لگائیں جو نالیاں اور گلیاں پکی کرانے، ملازمتوں کے حصول، دوستی یاری، رشتہ داری و برادری کے چکروں میں ووٹ دیتے ہیں۔ انہیں جمہوریت سے متعلق کسی نظریاتی بحث کا علم وفہم نہیں ہے اور نہ اس میں موجود کسی فکری کج روی کا۔ بلکہ اکثریت کو جمہوریت کے متعلق مغربی اصولوں پر گفتگو سمجھ ہی نہیں آئے گی۔

---

[۱] ایسوسی ایٹ پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

کفر سے نفرت تو دین کا حصہ ہے لیکن یہ نفرت کڑیوں سے کڑیاں ملاتی اتنی پھیل جائے کہ مسلمانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے، تو یہ کفر سے نفرت نہیں بلکہ ردِّعمل کی نفسیات اور غصے کی کیفیت ہے۔ اہل مغرب کی کتب سے جمہوریت کے اصولوں کو واضح کرکے اس نظام پر کفر کا حکم لگانا درست ہے لیکن اس کا حکم مسلمان خطوں پر منتقل کرتے وقت یہ نہ سوچنا کہ مسلمان اہل علم یا عوام کیا وہی نظریات رکھتے ہیں جو اہل مغرب کی کتب میں ہیں یا بس جمہوریت سے نام کی مشابہت ہی ہے [یہاں مغربی جمہوریت کی حقیقت کیا ہے؟ زیر بحث نہیں اور کیا وہ باطل نظریہ نہیں ہے؟ یہ بھی زیر بحث نہیں بلکہ اس کی بنیاد پر تکفیر یا اس کو مسلمان خطوں میں کفر کہنا، یہ زیر بحث ہے]۔

مغربی جمہوریت کی مسلمان خطوں میں پائی جانے والی صورتِ جمہوریت کو کفر کہتے ہوئے ان سوالات کو پیش نظر رکھنا بہرحال ضروری ہے:

۱۔ کیا مسلمان علماء جو جمہوری عمل میں شریک ہیں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ حقیقی وحتمی حاکمیت عوام کی ہے، اللہ کی نہیں؟

۲۔ کیا مسلمان علماء وعوام یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عوام کی اکثریت کو حق ہے کہ شریعت کو یا اس کے کسی حکم کو معطل یا منسوخ کردے؟

۳۔ کیا مسلمان علماء قرآن وسنت کے مقابلے میں آئین کو برتر مانتے ہیں؟ [علماء کی سالہا سال مختلف قوانین اور آئینی ترمیمات پر سخت تنقید اور ان کو خلاف شریعت قرار دینا اور اس کی تبدیلی کی جدوجہد کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ قرآن وسنت کو بالاتر مانتے ہیں]۔

۴۔ کیا مسلمان علماء جمہوری اصولوں کے مطابق کافر اور مسلم کو، فاسق وفاجر کو حقیقتاً برابر سمجھتے ہیں؟

۵۔ اگر مسلمان علماء کے نزدیک جمہوریت باطل نہ ہوتی تو وہ ''اسلامی جمہوریت'' کے نام سے علیحدہ نظام وضع کرنے کی کوشش کیوں کرتے [ہم اسلامائزیشن کے سارے عمل کو ہی غلط سمجھتے ہیں لیکن علماء کا یہ کہنا کہ ہم اسلامی جمہوریت کے قائل ہیں، اس بات کی بہرحال دلیل ہے کہ وہ مغربی جمہوری طرز فکر اور اس کے اصولوں کو درست نہیں سمجھتے۔ ورنہ علماء براہ راست

کہتے کہ مغربی جمہوریت بالکل درست ہے اور ہم اسی کے قائل و عامل ہیں]۔

پھر مزید اس پر یہ کہ عوام کے جہل اور جبر کے موانع کو سمجھے بغیر کفر کے حکم لگاتے چلے جانا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

رہا یہ کہ اپنے ''اجتہاد'' سے کسی کے عمل کا ''نتیجہ'' کفر بتانا یا کسی چیز کی مشابہت ''اہل کفر'' سے بتانا یا کسی فرد کی کسی بات سے ''استنباطِ کفر'' کرنا، یہ علیحدہ مباحث ہیں۔ لیکن اتنا ضرور یاد رکھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سے لے کر عہد فاروقی تک جو رومی دینار مسلمان استعمال کرتے رہے ان سب پر صلیب بنی ہوتی تھی لیکن اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ اس سکے کو ہی استعمال کیا جاتا رہے۔

اُمید ہے کہ اہلِ علم ان گزارشات پر توجہ فرمائیں گے۔

سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ۔

## البرہان

مجھے تو ڈاکٹر عثمان صاحب کی بات صحیح نہیں لگی جس کے دلائل مَیں یہاں ذکر کروں گا۔ البرہان کے فاضل قارئین میں سے جو صاحبان ڈاکٹر عثمان صاحب یا میرے موقف پر اظہارِ خیال کرنا چاہیں، ہم انہیں خوش آمدید کہیں گے۔

## 'جمہوریت کفر ہے'

* ''جمہوریت کفر ہے اور وہ نظریات جن سے 'جمہوریت' کا سیاسی نظام مستفاد ہے جیسے ہیومنزم، سیکولرزم، لبرل ازم اور کیپٹل ازم وغیرہ، وہ بھی کفر ہیں'' اس بات کے پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کے کتنے علماء اور دانشور قائل ہیں؟ ہمارے نزدیک ایسے لوگ دس پندرہ فیصد سے زیادہ نہیں۔ علماء کی اکثریت اس بارے میں کوئی رائے نہیں رکھتی (کیونکہ یہ موضوع ''مغربی فکر و تہذیب کا تنقیدی مطالعہ'' نہ دینی مدارس میں زیر بحث آتا ہے اور نہ کالجوں، یونیورسٹیوں میں) اور حکمرانوں، دانشوروں اور عوام کی بہت بڑی اکثریت جمہوریت کو کفر نہیں سمجھتی کیونکہ یہ سارے طبقے مغربی فکر و تہذیب سے مرعوب اور اس کے پیرو ہیں کیونکہ مسلمان ملکوں کا نظام تعلیم اور ذرائع ابلاغ مغربی فکر و تہذیب پر مبنی ہیں اور وہ اس کی غلامی سکھاتے

ہیں۔ اس لیے (سوائے ایک آدھ استثنیٰ کے) اس کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مغربی فکروتہذیب اور جمہوریت کے کفر ہونے کا مسئلہ بڑی شدت سے مسلمان معاشروں خصوصاً پاکستان میں اٹھایا جائے، تاکہ یہ حقیقت حکمرانوں، دانشوروں اور عامۃ الناس کے سامنے آسکے۔

* جو عالم یا سکالر یہ رائے رکھتا ہے کہ ''جمہوریت (اور مغربی فکروتہذیب) کفر ہے''، اسے یہ بات ہر جگہ کہنی چاہیے اور سب کے سامنے کہنی چاہیے کیونکہ فتویٰ یا حکم شرعی مختلف افراد یا طبقوں سے بات کرتے ہوئے بدل نہیں جائے گا۔ ہاں! بات کرنے کا اسلوب یا دلائل دینے کا انداز بدل سکتا ہے۔

* یہ بھی یاد رہے کہ بہت سے مسلم اکثریتی ممالک ایسے ہیں جنہوں نے علی الاعلان سکولرزم کو ریاستی پالیسی کے طور پر اختیار کر رکھا ہے جیسے ترکیہ، تیونس، آذربائی جان، قازقستان، بنگلہ دیش، نائیجریا، البانیہ وغیرہ نیز پاکستان کے علاوہ پچاس اکثریتی مسلم ممالک میں سے صرف تین یعنی افغانستان، ایران اور موریطانیہ کے نام کے ساتھ 'اسلامی' کا سابقہ موجود ہے۔ کیا ان ممالک کے حکمرانوں، دانشوروں اور عامۃ الناس کو نہیں بتانا چاہیے کہ مغربی جمہوریت غیر اسلامی ہے اور اسلام کے سیاسی نظام پر عمل ضروری ہے۔

## 'اسلامی جمہوریت'

* 'تھیوڈیموکریسی' یا 'اسلامی جمہوریت' کا تصور ہمارے ہاں مولانا مودودیؒ نے پیش کیا۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان میں جمعیت علماء اسلام ہند اس سے پہلے آزادئ ملک کے لیے جمہوری سیاسی جدوجہد میں حصہ لے رہی تھی اور اس کے پیش نظر ملک کی آزادی تھی نہ کہ اسلامی ریاست کا قیام اور یہی حال دوسرے مسلم ممالک کا تھا کہ وہاں علماء کی جماعتیں حصول آزادی کی جمہوری جدوجہد میں حصہ لے رہی تھیں اور مصر میں تو حسن البناؒ کی الاخوان المسلمون، قیامِ جماعت اسلامی سے پہلے، وہاں کے مسلم حکمرانوں کے خلاف جمہوری جدوجہد کر رہی تھی۔

ہمارا مؤقف یہ ہے کہ جن علماء کرام نے یہ سمجھا کہ اسلامی اور مغربی جمہوریت کا ملغوبہ بنا کر اس سے اسلام کا سیاسی نظام بنایا جا سکتا ہے، ان کا مؤقف یا اجتہاد شرعاً غلط تھا کیونکہ اسلام

اور کفر کی تلفیق ، انضمام (Merger) مفاہمت ، اتحاد اور اختلاط ناممکن ہے۔

۔ عقلاً دو عناصر مل کر ایک مفید مرکب اسی وقت بنا سکتے ہیں جب دونوں کی نوعیت اور جنس ایک جیسی ہو اور ان کا باہم انسجام ممکن ہو جیسے دودھ اور چینی۔ لیکن اگر ان عناصر کی نوعیت اور جنس ایک دوسرے سے متغایر ہو تو وہ باہم مل کر مفید مرکب نہیں بنا سکتے جیسے دودھ اور ریت۔ اسی طرح اسلام اور کفر کے عناصر متغایر اور متضاد ہیں اور وہ مل کر کوئی مفید مرکب نہیں بنا سکتے۔

۔ جن مسلمان ملکوں نے جمہوریت اور اسلام کو ملا کر ملغوبہ تیار کیا اور جمہوریت کو اختیار کیا، وہاں جمہوری اور سیکولر، لبرل اور کیپٹل ازم کی اقدار عملاً غالب آ گئی ہیں، عوام دین سے دور ہوتے جا رہے ہیں اور معاشرتی اور ریاستی ڈھانچہ سیکولر و لبرل ہوتا چلا گیا ہے۔ پاکستان کی مثال ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور دیگر کئی اسلامی ملکوں کی بھی جیسے مصر، انڈونیشیا، ملائشیا وغیرہ۔

۔ اسلام اور مغرب کی کافرانہ جمہوریت کو ملا کر ایک سیاسی نظام بنانے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ عصر حاضر میں اسلام کے سیاسی نظام کے احیاء کی ضرورت نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال سے نکلنے اور خلافت کے خاتمے کے بعد اور اسلام کے احیاء اور غلبے کے لیے جس بات کی اشد ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام کے سیاسی نظام کا احیاء کیا جائے لیکن جب علماء نے اسلام اور مغربی جمہوریت کے ملغوبے کو قبول کر لیا تو اب اسلام کے سیاسی نظام کے احیاء کی ضرورت کا احساس ہی مٹ گیا ہے اور علماء اور اہل دانش کا اس طرف خیال ہی نہیں جاتا۔

## مسلم عوام

سوال یہ ہے کہ جب مغربی فکر و تہذیب اور جمہوریت کا خلافِ اسلام ہونا نہ حکمرانوں پر واضح ہے، نہ علماء پر اور نہ دانشوروں پر تو عوام بیچارے کس کھیت کی مولی ہیں۔ انہیں یہ بتانے اور سمجھانے کی اشد ضرورت ہے کہ جمہوریت اور مغربی فکر و تہذیب کے بنیادی عقائد (ہیومنزم، سیکولرزم، لبرل ازم، کیپٹل ازم وغیرہ) اور دیگر ادارے جیسے سودی بینکنگ، سٹاک ایکسچینج، ذرائع ابلاغ کی فحاشی اور عریانی، سب غیر اسلامی ہیں اور مسلمانوں کو انہیں ردّ کر دینا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ عوام کو یہ سمجھانا کیوں ضروری نہیں؟ ہاں! یہ ضرور ہے کہ "کلموا

الناس علی حسب عقولھم" کے اصول کے مطابق عوام سے جو بات کی جائے ان کی ذہنی سطح کے مطابق ہونی چاہیے اور علماء اور حکمرانوں سے جو بات کی جائے وہ ان کے مزاج اور فہم کی سطح کے مطابق ہونی چاہیے۔

اسی طرح مغربی جمہوریت اور ''اسلامی جمہوریت'' میں مفاہمت اور موافقت کے حوالے سے جو التباس اور کنفیوژن ہے وہ بھی عوام پر واضح کیا جانا چاہیے اور پاکستان میں جس قسم کی جمہوریت ہے اور اس میں جس طرح کی خامیاں ہیں، وہ بھی ان پر واضح کی جانی چاہئیں تا کہ وہ اسلامی فکر وعمل کے حامل صحیح نمائندوں کو منتخب کر سکیں۔

---

## بقیہ: ابّا کے نام

اب ان دنوں یہ کیا ہو رہا ہے؟ ویسے ہی ہرے بھرے کھیت ہیں۔ اسی طرح فوجی اور عامی، ایک سا انداز، ہلکی گن لیے اوپر سے آتے ڈرون کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ کھیتوں میں فوجی ٹرک کھڑا ہے۔ اردگرد پاکستانی لڑکے اسی طرح گھیرا ڈالے بیٹھے ہیں جیسے ہم ابا کے گرد بیٹھے کہانیاں سنا کرتے تھے۔ میزائل فائر ہو رہا ہے۔ نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ کوئی ڈر ہے نہ خوف۔ عقل ہے نہ منطق۔ کانھم بنیان مرصوص۔ ایمان، تقوی، جہاد فی سبیل اللہ!

جنگ بندی کے بعد چھوٹی بہن چند گھنٹوں کے لیے اپنے فضائی مرکز سے نکل کے آئی تو جشن تشکر کی مٹھائی کھاتے مَیں نے پوچھا، ''تمہارے یہاں کیا کیفیت ہے؟ شاہین کیا سناتے ہیں؟'' ''آپا! اتنی بات کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ دن رات تو وہاں مصروف ہیں۔ بس ایک دفعہ آئے تو اتنا کہہ رہے تھے کہ ان کا صحیح بھی غلط ہو رہا تھا اور ہمارا غلط بھی جا کے ہٹ کر رہا تھا۔ ہزاروں فٹ کی بلندی پر صرف ہم نہیں تھے، کوئی ان دیکھی طاقت بھی اپنے ساتھ محسوس ہوتی رہی"۔۔۔ یقین اور جذبہ! صحرا است کہ دریا است تہِ بال و پر ما است۔

جب حملے کے بعد پریس بریفنگ کے دوران میں ان اونچائیوں پر گونجتی ایک آواز سنائی دی، ''میری ماں کے نام!''۔۔۔ میرے دل پر ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے،

''میرے ابّا کے نام! ابّا! ہم تو ابھی بہت چھوٹے ہیں۔''

ابا کی جھلی بیٹی، تیمی

اسلام اور مغرب

خطیب الرحمن

# معاہدہ ابراہیمی کیا ہے؟

ٹرمپ کے دورہ سعودی عرب میں اس نے جہاں عرب ریاستوں کو اسرائیل کو تسلیم کرنے پر زور دیا، وہیں معاہدۂ ابراہیمی (Abraham Accord) پر دستخط کرنے کا بھی کہا گیا۔ معاہدہ ابراہیمی کیا ہے اور ٹرمپ ایک عیسائی حکمران ہونے اور دنیا جہان کے ظالم اور سفاک یہودیوں کا سرپرست ہونے کے باوجود سرزمین عرب میں جا کر مسلمان حکمرانوں کو ''ابراہیمی معاہدے'' پر کیوں مجبور کر رہا ہے؟ مسلمانوں نے ابھی تک اس معاہدے کا نام سنا ہے اس کے در پردہ جو بھیانک اور خوفناک منصوبہ بنایا جا رہا ہے مسلم دنیا اس سے بے خبر ہے۔ امریکہ نے اسرائیل اور متحدہ عرب امارات کے درمیان جو معاہدہ کرایا تھا اس کا متن بطور ضمیمہ لف ہذا ہے جس سے امریکی و اسرائیلی ذہن کو پڑھنے میں آسانی ہوگی۔

اس معاہدے کا لب لباب یہ ہے کہ چونکہ مسلمان، عرب اور یہودی ابراہیم علیہ السلام پر متفق ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کو جد امجد تسلیم کرتے ہیں اور ہیں بھی سب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تو دین ابراہیمی کے حساب سے ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ اور بھائی اپنے بھائی سے لڑتا اچھا نہیں لگتا ہمیں آپس میں شیر وشکر ہو کر پیار محبت سے رہنا چاہیے۔ اور ایک دوسرے کو غلط نہیں کہنا چاہیے بلکہ ایک دوسرے کا احترام کرنا چاہیے۔ اور اگر کسی بات پر اختلاف ہو جائے یا حق حقوق کی بات آجائے تو سب کو برابر تقسیم کر لینا چاہیے۔

۔ابراہیمی معاہدے کو 2020ء میں طے کرتے وقت اس کے اہم فریق اسرائیل، متحدہ عرب امارات، بحرین، سوڈان اور مراکش تھے۔

اس میں مرکزی فریق کے طور پر اسرائیل تھا، جس کی ضرورت تھی کہ وہ عرب ممالک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرے جب کہ متحدہ عرب امارات (UAE) پہلا عرب ملک تھا، جس نے ستمبر 2020ء میں اس معاہدے پر دستخط کیے۔ متحدہ عرب امارات کے فوراً بعد بحرین اس میں شامل ہوا۔ جب کہ (شمالی مسلم اکثریتی) جمہوریہ سوڈان اکتوبر 2020ء میں اسرائیل کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے پر رضامند ہوا تھا۔ پانچویں فریق کے طور پر مراکش نے

دسمبر 2020ء میں اس معاہدے پر دستخط کر کے اس میں شراکت اختیار کی تھی۔

اس معاہدے کو ابراہیم علیہ السلام سے اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ یورپ کی پروردہ صہیونیت کے ہاتھوں فلسطینیوں کی سرزمین پر قبضہ کر کے اسرائیل کی شکل میں صہیونی ریاست کے قیام اور اِسے یہودیوں کے لیے نوآبادیاتی نظام میں تبدیل کرنے کے عمل کو مذہبی رنگ دیا جاسکے تاکہ کوئی اس قبیح فعل کو یورپی نوآبادیاتی نظام کا جُز یا تسلسل نہ سمجھے بلکہ اس کو مکمل طور پر مذہب کا لبادہ اوڑھا دیا جائے اور اسے مذہبی معاملہ بنا کر دنیا پر باور کیا جائے کہ یہ کوئی یہودیوں کے فلسطین کی سرزمین پر قبضے کا معاملہ نہیں بلکہ یہ ایک مذہبی معاملہ ہے۔

یاد رہے! یہ معاہدہ کوئی نئی چیز نہیں ۱۹۷۸ء اور ۱۹۷۹ء میں اس وقت کے امریکی صدر جمی کارٹر نے مصر کو اسرائیل کا وجود تسلیم کرنے پر راضی کیا تھا اور اس سلسلے میں کیمپ ڈیوڈ معاہدے پر اس وقت کے اسرائیلی وزیراعظم مناہم بیگن اور مصر کے صدر انور سادات نے دستخط کیے تھے۔ اُس موقع پر جمی کارٹر نے کہا تھا "اچھا ہے کہ اب ہم جنگ کو ایک طرف رکھ دیں۔ آیئے، ہم ابراہیم علیہ السلام کے بچوں کو نوازیں جو مشرقِ وسطیٰ میں جامع امن کے لیے ترس رہے ہیں۔ آیئے، اب ہم مکمل انسان، مکمل پڑوسی اور مکمل بہن بھائی بننے کی حقیقت سے لطف اندوز و سرفراز ہوں"۔

1993ء میں امریکی ایوانِ صدر میں اوسلو معاہدے پر فلسطینی لیڈر یاسر عرفات اور اس وقت کے اسرائیلی وزیراعظم یزاک رابن کی طرف سے دستخط کیے جانے کے موقع پر امریکی صدر بل کلنٹن نے کہا تھا "اس موقع پر ہمیں یاد کرنا چاہیے کہ اب تمہاری سرزمین پر تشدد کی چیخ سنائی نہیں دے گی اور نہ ہی تمہاری سرحدوں کے اندر تباہی و بربادی ہوگی۔ ابراہیم علیہ السلام کے بچے، اور اسحاق و اسماعیل علیہم السلام کی اولادیں، مل کر ایک نئے جرأت مندانہ سفر پر نکلے ہیں۔ آج ہم دل اور روح کی گہرائیوں سے دونوں کو مبارک باد دیتے ہوئے مکمل سلامتی کی نوید سناتے ہیں۔

اس معاہدے کے نتیجے میں پوری دنیا میں پرزور طریقے سے یہ بات پھیلائی گئی کہ اس سے امن کی بحالی ہوگی۔ اسرائیل کی نوآبادی کا پھیلاؤ فلسطین میں رکے گا، باہر سے لوگوں کو لا کر یہاں بسانے کا کام بند ہوگا، ساتھ ہی ان ممالک میں معاشی ترقی کے دروازے کھلیں گے لیکن یہ خام خیالی ہی رہی کیونکہ اس معاہدے سے فلسطین کے مسئلے کے حل کو باہر رکھا گیا۔ اسے

صرف متحدہ عرب امارات کے ساتھ تعلقات بڑھا کر اس کے ساتھ اسرائیل کے ایک بڑے بزنس پارٹنر کے طور پر شامل ہونے نیز اسرائیلی کمپنیوں کے ان ممالک میں سرمایہ کاری کے کام میں اضافہ ہوا۔ڈرون اور ملٹری کے سامان کی خرید وفروخت کا کام بھی اس کے ذریعے ہوا۔اسرائیل کا سمجھوتا بحرین سے بھی ہوا اور اب تک بحرین میں سینکڑوں ملین ڈالر کا سامان وہاں کی مارکیٹ میں پہنچ چکا ہے اور اب سعودی عرب کے ساتھ 600 ملین ڈالر والا معاہدہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا حوالے دے کر دراصل صہیونیت کی نوآبادیاتی نوعیت کو چھپایا جارہا ہے اور دنیا کے سامنے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اسرائیلیوں کے خلاف جو جنگ جاری ہے وہ نوآبادیاتی نظام کے خلاف نہیں بلکہ ایک ہی سلسلۂ مذہب کے ماننے والے ''ابراہیمی'' بھائیوں کا آپس کا جھگڑا ہے۔

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور بحرین کی جانب سے چار عشروں کے دوران بین المذاہب مکالمے اور رواداری کے نام پر جو کچھ بھی کیا جاتا رہا ہے وہ دراصل صہیونیت کی نوآبادیاتی تاریخ کو مذہبی تنازع کی حیثیت سے پیش کرنے کی جامع کوشش ہے۔

جن عرب رہنماؤں نے صہیونیت کو قبول کیا ہے وہ بھی اس نکتے سے متفق ہیں کہ صہیونیت کی نوآبادیاتی نوعیت کو چھپایا جائے تا کہ یہودیوں کے خلاف تعصب کو مذہبی بنیاد پر ہونے والی لڑائی کی حیثیت سے پیش کیا جاسکے اور یہ بھی ثابت کیا جاسکے کہ جو کچھ فلسطینی کررہے ہیں وہ دراصل ابراہیم کے خدا کے عطا کردہ عطیۂ اخوت کے منافی ہے، کفرانِ نعمت ہے۔

بین المذاہب مکالمہ کا اصل محرک بھی صیہونیت ہے اور آج کے دور کا امتِ مسلمہ کو دی جانے والی سافٹ ڈوز ہے، کہ مسلمان، یہودی اور عیسائی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر متفق ہوں تا کہ 75 سال سے سرزمین انبیاء پر صیہونیت کی یلغار کو یہ کہہ کر جائز اور ضروری ثابت کیا جاسکے کہ اس سرزمین پر صرف مسلمانوں کا حق ہی نہیں بلکہ ابراہیم علیہ السلام کے ہم بھی وارث ہیں، اس جگہ پر ہمارا بھی حق ہے جو ہم لے رہے ہیں۔ یہاں کے مسلمان چونکہ ہمارے اس حق کے حصول میں رکاوٹ ہیں اس لیے ہمارا حق ہے کہ ان سے اپنی سرزمین واپس لیں۔

کہاوت ہے آگ لینے آئی گھر کی مالک بن بیٹھی۔

قرآن کی نظر میں ان کا یہ نظریہ سراسر جھوٹ اور افتراء ہے۔قرآن واضح الفاظ میں یہود ونصاریٰ کے دین ابراہیمی پر ہونے کی نفی کرتا ہے۔نزول قرآن کے وقت بھی عربوں میں جو تین طبقات موجود تھے، یعنی مشرکین عرب، یہودی اور نصرانی، وہ تینوں اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب کرتے تھے۔مشرکین عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہونے کی نسبت سے کہتے تھے کہ ہمارا رشتہ ابراہیم علیہ السلام سے ہے۔اسی طرح یہودی اور نصرانی بھی ملت ابراہیمی علیہ السلام ہونے کے دعوے دار تھے۔لیکن قرآن نے دوٹوک انداز میں فرمایا:

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿67﴾﴾ [آل عمران ۳:۶۷]

ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے، نہ نصرانی تھے اور نہ ہی مشرکین میں سے تھے، بلکہ مسلمان تھے۔

صرف اتنا ہی نہیں اگلی آیت میں اور وضاحت کے ساتھ یہ بھی بتادیا کہ دین ابراہیمی کا اصل حقدار کون ہے:

﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿68﴾﴾ [آل عمران ۳:۶۸]

ترجمہ: بیشک تمام لوگوں میں ابراہیم سے نزدیک تر وہی لوگ تھے جنھوں نے ان کی اتباع کی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جو (ان پر) ایمان لائے، اور اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے۔

یہود و نصاریٰ نے اپنے انبیاء کی اتباع نہیں کی تو ان سے دین ابراہیمی کی اتباع کیسے ممکن ہے؟ نہ تو یہ اپنے انبیاء کے پیروکار رہیں اور نہ ہی دین ابراہیمی سے ان کا کوئی لینا دینا ہے۔

اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ فلسطین کے مسئلے کو اُس کی سیاسی پیچیدگیوں سے پاک کر کے ابراہیمی مذاہب کے ماننے والوں میں حقیقی اخوت پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تو ابھی غزہ میں یہ جو کچھ کر رہے ہیں جس پر پوری دنیائے کفر بھی چیخ اٹھی ہے کیا اخوت اس کو کہتے ہیں؟ اتحاد بین المذاہب کے یہ دعویدار فلسطین کے مسلمانوں کو کس کیٹیگری میں سمجھتے ہیں؟ حقیقت

یہ ہے کہ وہ ان کو انسان تک نہیں سمجھتے۔ان کی ڈکشنری میں انسان صرف وہ ہے جو ان کی غلامی کرے اوران کے اشاروں پہ چلے، جو ایسا نہیں کرتا اس سے یہ جینے کا حق بھی چھین لیتے ہیں دوسری طرف ان کو راضی کرنے والے نت نئے بہانوں کی تلاش میں ہیں ۔ 600 ملین ڈالر دے کر بھی لگا کہ عالی جاہ خوش ہوئے یا نہیں تو اپنی عورتیں بھی پیش کر دیں۔ ذلت اور بے غیرتی کی اس انتہاء میں گر جانے والوں سے کیا توقع کی جائے کہ وہ غزہ کے لیے کچھ کر پائیں گے۔ایک درویش سچ کہہ گیا عربوں کی تباہی کے دن قریب ہیں، بہت قریب۔

## ضمیمہ

**ABRAHAM ACCORDS PEACE AGREEMENT:**

TREATY OF PEACE, DIPLOMATIC RELATIONS AND FULL NORMALIZATION

BETWEEN

THE UNITED ARAB EMIRATES

AND

THE STATE OF ISRAEL

The Government of the United Arab Emirates and the Government of the State of Israel (hereinafter, the "Paiiies")

Aspiring to realize the vision of a Middle East region that is stable, peaceful and prosperous, for the benefit of all States and peoples in the region;

Desiring to establish peace, diplomatic and friendly relations, co-operation and full normalization of ties between them and their peoples, in accordance with this Treaty, and to chaii together a new path to unlock the vast potential of their countries and of the region;

Reaffirming the "Joint Statement of the United States, the State of Israel, and the United Arab Emirates" (the "Abraham Accords"), dated 13 August 2020;

Believing that the further development of friendly relations meets the interests of lasting peace in the Middle East and that challenges can only be effectively addressed by cooperation and not by conflict;

Determined to ensure lasting peace, stability, security and prosperity for both their States and to develop and enhance their dynamic and innovative economies;

Reaffirming their shared commitment to normalize relations and

promote stability through diplomatic engagement, increased economic cooperation and other close coordination;

Reaffirming also their shared belief that the establishment ofpeace and full normalization between them can help transform the Middle East by spurring economic growth, enhancing technological innovation and forging closer people-to-people relations;

Recognizing that the Arab and Jewish peoples are descendants of a common ancestor, Abraham, and inspired, in that spirit, to foster in the Middle East a reality in which Muslims, Jews, Christians and peoples of all faiths, denominations, beliefs and nationalities live in, and are committed to, a spirit of coexistence, mutual understanding and mutual respect;

Recalling the reception held on January 28, 2020, at which President Trump presented his Vision for Peace, and committing to continuing their efforts to achieve a just, comprehensive, realistic and enduring solution to the Israeli-Palestinian conflict;

Recalling the Treaties of Peace between the State of Israel and the Arab Republic of Egypt and between the State ofIsrael and the Hashemite Kingdom of Jordan, and committed to working together to realize a negotiated solution to the Israeli-Palestinian conflict that meets the legitimate needs and aspirations of both peoples, and to advance comprehensive Middle East peace, stability and prosperity; Emphasizing the belief that the normalization of Israeli and Emirati relations is in the interest of both peoples and contributes to the cause of peace in the Middle East and the world; Expressing deep appreciation to the United States for its profound contribution to this historic achievement; Have agreed as follows:

1. Establishment of Peace, Diplomatic Relations and Normalization: Peace, diplomatic relations and full normalization of bilateral ties are hereby established between the United Arab Emirates and the State of Israel.

2. General Principles: The Parties shall be guided in their relations by the provisions of the Charter of the United Nations and the principles of international law governing relations among States. In particular, they shall recognize and respect each other's sovereignty and right to live in peace and security, develop friendly relations of cooperation between them and their peoples, and settle all disputes between them by peaceful

means.

3. Establishment of Embassies: The Parties shall exchange resident ambassadors as soon as practicable after the signing ofthis Treaty, and shall conduct diplomatic and consular relations in accordance with the applicable rules of international law.

4. · Peace and Stability: The Parties shall attach profound importance to mutual understanding, cooperation and coordination between them in the spheres of peace and stability, as a fundamental pillar of their relations and as a means for enhancing those spheres in the Middle East as a whole. They undertake to take the necessary steps to prevent any terrorist or hostile activities against each other on or from their respective teITitories, as well as deny any support for such activities abroad or allowing such support on or from their respective territories. Recognizing the new era ofpeace and friendly relations between them, as well as the centrality ofstability to the well-being oftheir respective peoples and ofthe region, the Parties undertake to consider and discuss these matters regularly, and to conclude detailed agreements and aITangements on coordination and cooperation.

5. Cooperation and Agreements in Other Spheres: As an integral part of their commitment to peace, prosperity, diplomatic and friendly relations, cooperation and full normalization, the Parties shall work to advance the cause of peace, stability and prosperity throughout the Middle East, and to unlock the great potential of their countries and of the region. For such purposes, the Parties shall conclude bilateral agreements in the following spheres at the earliest practicable date, as well as in other spheres of mutual interest as may be agreed:

- Finance and Investment - Civil Aviation
- Visas and Consular Services
- Innovation, Trade and Economic Relations
- Healthcare
- Science, Technology and Peaceful Uses of Outer-Space
- Tourism, Culture and Sport - Energy
- Environment - Education
- Maritime Anangements - Telecommunications and Post
- Agriculture and Food Security - Water
- Legal Cooperation

Any such agreements concluded before the entry into force ofthis

Treaty shall enter into effect with the entry into force of this Treaty unless otherwise stipulated therein. Agreed principles for cooperation in specific spheres are annexed to this Treaty and form an integral part thereof.

6. Mutual Understanding and Co-existence: The Parties undertake to foster mutual understanding, respect, co-existence and a culture ofpeace between their societies in the spirit of their common ancestor, Abraham, and the new era of peace and friendly relations ushered in by this Treaty, including by cultivating people-to-people programs, interfaith dialogue and cultural, academic, youth, scientific, and other exchanges between their peoples. They shall conclude and implement the necessary visa and consular services agreements and arrangements so as to facilitate efficient and secure travel for their respective nationals to the territory of each other. The Parties shall work together to counter extremism, which promotes hatred and division, and terrorism and its justifications, including by preventing radicalization and recruitment and by combating incitement and discrimination. They shall work towards establishing a High-Level Joint Forum for Peace and Co-Existence dedicated to advancing these goals.

7. Strategic Agenda for the Middle East: Further to the Abraham Accords, the Parties stand ready to join with the United States to develop and launch a "Strategic Agenda for the Middle East" in order to expand regional diplomatic, trade, stability and other cooperation. They are committed to work together, and with the United States and others, as appropriate, in order to advance the cause of peace, stability and prosperity in the relations between them and for the Middle East as a whole, including by seeking to advance regional security and stability; pursue regional economic opportunities; promote a culture of peace across the region; and consider joint aid and development programs.

8. Other Rights and Obligations: This Treaty does not affect and shall not be interpreted as affecting, in any way, the rights and obligations ofthe Parties under the Charter ofthe United Nations. The Parties shall take all necessary measures for the application in their bilateral relations of the provisions of the multilateral conventions of which they are both parties, including the submission of appropriate notification to the depositaries of such conventions.

9. Respect for Obligations: The Parties undertake to fulfill in good

faith their obligations under this Treaty, without regard to action or inaction of any other party and independently of any instrument inconsistent with this Treaty. For the purposes of this paragraph each Party represents to the other that in its opinion and interpretation there is no inconsistency between their existing treaty obligations and this Treaty. The Parties undertake not to enter into any obligation in conflict with this Treaty. Subject to Article 103 of the Charter of the United Nations, in the event of a conflict between the obligations of the Parties under the present Treaty and any of their other obligations, the obligations under this Treaty shall be binding and implemented. The Parties further undertake to adopt any legislation or other internal legal procedure necessary in order to implement this Treaty, and to repeal any national legislation or official publications inconsistent with this Treaty.

10. Ratification and Entry into Force: This Treaty shall be ratified by both Parties as soon as practicable in conformity with their respective national procedures and will enter into force following the exchange of instruments of ratification.

11. Settlement of Disputes: Disputes arising out ofthe application or interpretation ofthis Treaty shall be resolved by negotiation. Any such dispute which cannot be settled by negotiation may be referred to conciliation or arbitration subject to the agreement of the Parties.

12. Registration: This Treaty shall be transmitted to the Secretary-General ofthe United Nations for registration in accordance with the provisions of Article 102 of the Charter of the United Nations.

Done at Washington, DC, this day Elul 26th, 5780, Muharram 27th, 1442, which corresponds to 15 September 2020, in the Hebrew, Arabic and English languages, all texts being equally authentic. In case of divergence of interpretation, the English text shall prevail.

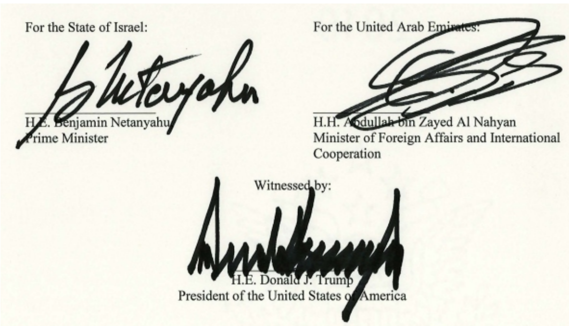

For the State of Israel:

H.E. Benjamin Netanyahu
Prime Minister

For the United Arab Emirates:

H.H. Abdullah bin Zayed Al Nahyan
Minister of Foreign Affairs and International Cooperation

Witnessed by:

H.E. Donald J. Trump
President of the United States of America

پاکستانیات ڈاکٹر حفیظ الحسن

# سندھ طاس معاہدہ کیا ہے؟

1960ء میں جب سندھ طاس معاہدے پر دستخط ہوئے تو صدر ایوب سے لے کر گورنمنٹ کلرک تک سب نے یہی سمجھا کہ اب پانی کا مسئلہ حل ہو گیا۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ ہم نے اپنے دریاؤں کی ماں بیٹی ایک کرکے، تین مشرقی دریا ستلج، بیاس اور راوی بھارت کے حوالے کر دیے۔ بدلے میں بھارت نے ہمیں یہ تسلی دی کہ باقی تین مغربی دریاؤں یعنی سندھ، جہلم اور چناب کا پانی تمہارے پاس رہے گا۔ یعنی گاؤں کے نمبردار نے کہا کہ بیٹا تم بکری رکھو مگر رسّی ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ گویا اس معاہدے کے تحت پاکستان نے ستلج، بیاس اور راوی بھارت کی جھولی میں ڈال دیے گئے اور سندھ، جہلم، چناب پر اللہ توکل کر لیا گیا۔ معاہدے کی مہربانی سے بھارت کو اجازت ملی کہ وہ مغربی دریاؤں پر بھی کچھ نہ کچھ منصوبے بنا سکتا ہے بس شرط یہ کہ پانی مستقل طور پر نہ روکے۔ بھارت نے شرط کو ایسی چالاکی سے برتا کہ مستقل نہ سہی وقتی قبضے کر کر کے اپنا کھیل جما لیا۔

معاہدے میں یہ واضح لکھا گیا کہ بھارت اپنی ضروریات کے مطابق ان تین مغربی دریاؤں پر جو پاکستان کے حصے میں آئے، پن بجلی بنانے کے لیے چھوٹے موٹے ڈیم بنا سکتا ہے، بشرطیکہ پانی کا بہاؤ متاثر نہ ہو۔ مگر بھارت تو وہ چالاک گوالا نکلا جس نے دہی بنانے کے بہانے دودھ بھی پی لیا۔

آج صورتحال یہ ہے کہ بھارت ان تین مغربی دریاؤں پر ساٹھ سے زائد منصوبے بنا چکا ہے۔ بگلیہار، کشن گنگا، رتلے، پاکل دل، ساولکوٹ، کیرو، کرتھائی، دُول ہستی، سب بھارت کے ہتھیار ہیں۔ یہ ڈیم ایسے ہیں جو پانی کو روک کر چند دن کے لیے سٹور کر سکتے ہیں اور پھر ضرورت کے وقت چھوڑ کر پاکستان کو یا تو خشک سالی میں مبتلا کرتے ہیں یا اچانک سیلاب کا نشانہ بنا دیتے ہیں۔ سندھ طاس معاہدہ مستقل رکاوٹ کو تو منع کرتا ہے مگر وقتی چالاکیوں کو کھلی چھٹی دے بیٹھا ہے۔

پاکستان کے پاس تین مغربی دریاؤں سے سالانہ تقریباً 145 ملین ایکڑ فٹ (MAF) پانی آتا ہے۔ان میں سے تقریباً 80 فیصد گرمیوں میں جب برف پگھلتی ہے اور جب مون سون کی بارشیں ہوتی ہیں، تب آتا ہے۔سردیوں میں یہ بہاؤ سکڑ کر چوتھائی سے بھی کم رہ جاتا ہے۔ مگر پاکستان کی حالت یہ ہے کہ کل دستیاب پانی میں سے صرف 13 فیصد ذخیرہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ امریکہ جیسے ملک کے پاس 900 دنوں کا پانی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت ہے، بھارت کے پاس 170 دن کا اور پاکستان بمشکل 30 دن کا۔ بین الاقوامی طور پر قومی سلامتی کے مطابق کسی بھی ملک کے پاس یہ آبی ذخیرہ کم سے کم 90 دن کا ہونا ضروری ہے۔

پانی کے استعمال میں ہماری بدانتظامی کا یہ عالم ہے کہ ہر سال 29 ملین ایکڑ فٹ پانی ضائع ہوکر سمندر میں بہہ جاتا ہے۔ نہ چھوٹے ڈیم بنائے گئے نہ نہری نظام جدید ہوا۔ پنجاب سندھ بلوچستان اور خیبر پختونخوا کے درمیان پانی کی بندر بانٹ کا تماشہ ہر سال ہوتا ہے اور کالا باغ ڈیم کی کہانی تو ایسی ہوئی کہ ہر صوبہ اسے اپنی گردن پر پھندہ سمجھنے لگا۔ دیامر بھاشا اور داسو ڈیم کی بنیادیں رکھی جا چکی ہیں مگر ان کی تکمیل کی رفتار ایسی ہے جیسے کوئی بیمار اونٹ بادلوں کے پیچھے دوڑ رہا ہو۔

قانونی اور سفارتی سطح پر دیکھیں تو بھارت کے پاس سندھ طاس معاہدے کی ہر شق کو تکنیکی موشگافیوں کے ذریعے موڑنے کا فن ہے۔ جب پاکستان دریائے چناب پر بگلیہار ڈیم کے معاملے پر عالمی عدالتِ انصاف گیا تو عدالت نے کہا کہ ہاں بھارت نے کچھ زیادتی کی ہے مگر چونکہ بہت بڑا نقصان نہیں ہوا، اس لیے معاف کیا جاتا ہے۔ یعنی چور نے جیب کاٹی، مگر چونکہ بٹوہ بچ گیا اس لیے چور کو داد مل گئی۔ پھر کشن گنگا پروجیکٹ آیا جس میں بھارت نے دریائے نیلم کا پانی موڑ کر دریائے جہلم میں ڈال دیا۔ پاکستان نے واویلا کیا مگر عدالت نے بھارت کے حق میں ہنڈی تھما دی۔ پاکستان کا دعویٰ کہ معاہدے کی روح زخمی ہوئی ہے، عدالت کا جواب کہ جسم ابھی سانس لے رہا ہے۔اس پورے کیس میں پاکستان اپنا مقدمہ ایسے پیش کرتا رہا جیسے کوئی ولیمہ کھانے آیا ہو بغیر شادی کے دعوت نامے کے۔

بھارت کے ان ہتھکنڈوں کو چھوڑ کر اگر ہم اپنے گھر میں جھانکیں تو حالات کچھ بہتر دکھائی نہیں دیتے۔ ملک کی واٹر پالیسی کا ذکر کریں تو ہنسی اور رونا دونوں آتے ہیں۔ پاکستان نے پہلی

باقاعدہ واٹر پالیسی 2018 میں بنائی جب حالات اتنے بگڑ چکے تھے کہ دریا خشک ہونے لگے تھے اور کنویں بھی آنسو بہانے لگے تھے۔اس پالیسی میں خواب دکھائے گئے کہ نئے ڈیم بنیں گے، پانی بچایا جائے گا، نہری نظام ٹھیک ہوگا۔لیکن زمینی حقیقت یہ ہے کہ آٹھ سال بعد بھی وہی پرانی نہریں، وہی پرانی چوریاں اور وہی پرانے بہانے چل رہے ہیں۔

اس صورتحال میں مستقبل میں پاکستان میں کیا قیامت آنے والی ہے؟ اسکا اندازہ عالمی بینک کی تازہ رپورٹ سے لگائیں جو یہ کہتی ہے کہ اگر پاکستان نے اگلے دس سال میں اپنے پانی کے ذخائر میں خاطر خواہ اضافہ نہ کیا تو 2040 تک پاکستان پانی کی شدید قلت کا شکار ہو گا۔یعنی نلکے سے پانی نہیں، ہوائیں نکلیں گی۔

دوسری طرف بھارت دریاؤں کو اس طرح قابو میں لانے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے جیسے شکاری خرگوشوں کے پیچھے کتے چھوڑتا ہے۔ بھارت نے 62 سے زیادہ ہائیڈرو پاور پراجیکٹ مغربی دریاؤں پر پلان کیے ہیں۔ بھارت نے اگر اپنے سارے بند مکمل کر لیے تو پاکستان کو پانی یوں نصیب ہوگا جیسے فقیر کو خیرات میں بند لفافہ پکڑا دیا جائے جس میں صرف دعائیں ہوں۔

پاکستان کی اپنی غلطیاں بھی کم نہیں۔ نہ پانی بچانے کی ٹیکنالوجی کو اپنایا، نہ کسانوں کو جدید آبپاشی کے طریقے سکھائے، نہ نئی نہریں بنائیں۔ بلکہ بعض اوقات تو نہریں اس حال میں ہوتی ہیں جیسے سڑک پر نالی بہہ رہی ہو۔ پانی کا انتظام چلانے والے ادارے ایسے فعال ہیں جیسے دفتر میں پرانا پنکھا جو ہلتا تو ہے مگر ہوا نہیں دیتا۔

عالمی سیاست کا حال یہ ہے کہ بھارت پانی کو اپنی سفارتی حکمت عملی کا حصہ بنا چکا ہے۔ جنوبی ایشیا میں پانی کے کنٹرول کے ذریعے بھارت خطے میں دباؤ بڑھا رہا ہے۔جبکہ پاکستان آج تک عالمی برادری کو یہ باور کرانے میں ناکام رہا کہ بھارت سندھ طاس معاہدے کی روح کے ساتھ کھلواڑ کر رہا ہے۔ پانی کو عالمی عدالت میں مؤثر طریقے سے اٹھانے کے بجائے ہم سفارتی طور پر ایسے کمزور رہے جیسے کرکٹ میں ہارنے کے بعد قومی ٹیم کی تسلیاں۔

تو خلاصہ یہ کہ بھارت نے چالاکی سے دریا بھی ہتھیا لیے، بجلی بھی بنائی، اور دنیا کو یہ باور کرایا کہ وہ ایک ذمہ دار فریق ہے۔ پاکستان اب بھی پرانی فائلوں میں واٹر پالیسی ڈھونڈ رہا

ہے، پرانی نہروں کی مرمت کے خواب دیکھ رہا ہے اور سیاسی نعروں کے ذریعے پانی کی قلت پر قابو پانے کی امید لگا بیٹھا ہے۔

پاکستان کی اپنی کارکردگی کا پوسٹ مارٹم کریں تو پچھلے 78 برس میں پاکستان کی واٹر پالیسی رہی ہی کہاں؟ سیاستدانوں نے پانی کے ذخائر پر جتنا شور مچایا، عملی اقدامات اتنے ہی قحط زدہ رہے۔

نہ جدید آبپاشی نظام رائج ہو سکا، نہ پانی کے زیاں کو روکا جا سکا، نہ نئے ذخائر بنے، نہ پرانے محفوظ کیے گئے۔ بھارت تو اپنے حصے کے مشرقی دریاؤں کا آخری قطرہ تک نچوڑ چکا ہے، جب کہ ہم اپنی جھولی میں گری مغربی ندیوں کا پانی بھی سنبھال نہ سکے۔

آج کی حالت یہ ہے کہ فی کس پانی کی دستیابی پاکستان میں خطرناک حد تک کم ہو کر 900 مکعب میٹر سالانہ سے بھی نیچے جا چکی ہے، جو کہ پانی کی شدید قلت کی عالمی تعریف میں آتا ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو 2040 تک پاکستان پانی کی قلت کے شکار پانچ بڑے ممالک میں شامل ہو گا۔ مگر ہم ہیں کہ ہر بار صرف بھارت کو کوستے ہیں اور خود اپنے گھر کے نلکے کی مرمت کرنا بھول جاتے ہیں۔

قصہ مختصر، سندھ طاس معاہدہ ایک غنیمت تھا مگر ہم نے اس پر تکیہ کر کے خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے اور بھارت چالاکی سے پانی کے میدان میں بھی اپنا داؤ کھیلتا رہا۔ کہیں کہیں یہ لگتا ہے کہ بھارت نے تو پانی کا مسئلہ سیاست کے ہنر سے سلجھایا جبکہ ہم نے سیاست و ریاست کو پانی میں گھول کر نہ خود پیا نہ کسی کو پینے دیا۔ جب ملکی پالیسیاں کالول کے رنگروٹ اور کالے انگریز بنائیں تو یہ حال ہونا ہے۔ باقی رہے نام اللہ کا۔ نسلوں کے سودے تو کب کے ہو چکے۔

---

## بقیہ تدریس القرآن

**حاصل کردہ سبق**

۱۔ دنیاوی مفادات اور دولت کی حرص میں کبھی دین کو نہ چھوڑو۔ ۲۔ ہمیشہ اللہ کی عبادت اور اطاعت کرو اور اللہ کی معصیت پر کبھی دلیری نہ دکھاؤ۔ ۳۔ حقوق اللہ (یعنی اللہ کی عبادت و اطاعت اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرانا...... وغیرہ) کے ساتھ حقوق العباد (یعنی والدین کے ساتھ حسن سلوک، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور یتیموں مسکینوں کی دست گیری...... وغیرہ) کا بھی خیال رکھو اور ان کے بارے میں قرآن وسنت کے احکام پر عمل کرو۔

پاکستانیات ادارہ

حالیہ پاک بھارت لڑائی میں پاکستان کا پلڑا بھاری کیوں کر رہا؟

# ابّا کے نام

## ایک دلچسپ رپورتاژ

جب ہم چھوٹے تھے ابّا ہمیں دو طرح کی کہانیاں سناتے تھے۔ جالندھر سے اپنی ہجرت اور پاک بھارت جنگوں کی۔ ہم منہ کھولے بہت اشتیاق سے سنا کرتے تھے۔ دو کوہہ میں اپنے گھر کی چھت پر کیسے مورچہ بنایا تھا اور اس میں پتھر جمع کیے تھے۔ کیسے بچے سرویلنس کیا کرتے تھے۔ ’’ساڈا رعب ہونداسی پُتر! اسی ڈری دانئیں سی۔ مسلمان جذبے نال لڑدا اے، اسلحے نال نئیں‘‘۔ انہی سے سنا کہ کیسے 1948ء اور پھر 1965ء میں کشمیر کی وجہ سے لڑائی کا آغاز ہوا۔ پیراشوٹ اتارنے اور اپنے فوجی پکڑے جانے کی بات وہ اسی طرح کمال فن سے چھپا لیتے تھے جس طرح مطالعہ پاکستان کی کتابیں فلٹر کیا کرتی ہیں۔ انہوں نے ہی پہلا سبق دیا کہ تاریخ نگاری معروضی نہیں ہوتی، اپنے ہیرو خود کیسے تراشے جاتے ہیں: اپنے مفاد کا بیانیہ کیسے بنایا جاتا ہے! قومی خودداری اور عزت نفس کے لیے ایسا کرنا ہر قوم کا حق ہے۔

1965ء کا قصہ یہاں سے شروع ہوتا کہ ابھی گرمی باقی تھی۔ لوگ چھتوں پر رات کو سوتے تھے اور تین بجے کے قریب سائرن بجنے لگے۔ صبح ریڈیو سے پتا چلا بھارت حملہ آور ہو گیا ہے اور انہوں نے خبریں چلا دیں کہ لاہور پر قبضہ ہو چکا ہے۔ مال روڈ سے گزرتے تو قائد اعظم لائبریری کا تعارف اولڈ جم خانہ کہہ کے یوں کرایا جاتا کہ یہ وہ جگہ ہے جس کے بارے میں بھارتیوں نے غرور میں ڈوبے ہوئے کہا تھا کہ شام کی چاے ہم جم خانہ میں پئیں گے۔ ابّا خود ملتان میں تھے اور جنگ کے اعلان کے بعد بلیک آؤٹ میں ریل گاڑی پکڑ کے گھر آئے۔ پھر اگلی قسط بی آر بی نہر کی ہوتی۔ ہمارے چند جوان تھے جنہوں نے اتنی بڑی فوج کو روکا۔ ان کے غرور کو توڑا۔ پاکستانی تو جنگ کے لیے تیار نہیں تھے مگر ان سترہ دنوں میں پورے دیس کی کایا پلٹی ہوئی تھی۔ مغربی محاذ گرم تھے۔ چند چھوٹے چھوٹے واقعات سنا کے کہانی کا اختتام ہوتا، ’’یاد رکھو، جنگیں مرد مومن کے جذبہ جہاد سے لڑی جاتی ہیں، تعداد اور اسلحے سے نہیں‘‘۔

ہم ان کے کندھوں پر چڑھ کے کہتے کہ وہ جگہ دکھائیں جہاں آپ نے پینسٹھ اور اکہتر میں فضائی حملوں سے بچاؤ کے لیے خندق کھودی تھی۔ ہنگامی حالات میں پیش بندی کے طور پر کن کن چیزوں کا ذخیرہ کیا تھا؟ بلیک آؤٹ کیا ہوتا ہے؟ سائرن کیسے بجتے تھے؟ پھر کہاں پناہ لینی ہوتی تھی؟ کہانیوں میں چونڈہ کے مقام پر ٹینکوں کی سب سے بڑی لڑائی کا ذکر ہوتا۔ ان کی آنکھیں چمکنے لگتیں۔ فضا میں ہاتھ لہرا کے پورے جوش سے سناتے۔ کیسے کم تعداد میں وہاں موجود سپاہی، اپنے جسموں سے بم باندھ کے ٹینکوں کے آگے لیٹ گئے تھے۔ کبھی لاہور کے دفاع کے بارے میں سنانے لگتے۔ جب ابا نے ہجرت کی تھی تو دادی اماں نے رستے کے لیے پانی کا مشکیزہ اور بھنے ہوئے چنے ساتھ رکھے تھے۔ یہ کالے بھنے چنے ابا کی ایمر جنسی کٹ کے تصور میں پیوست ہو چکے تھے۔ جب بھی کہیں جنگ کے سائے بڑھتے دکھائی دیتے، ابا خشک چنے فراہم کر لیتے۔ ہم بہتیرا اتڑ پتے کہ پاکستان میں اب قسما قسم کی خشک اشیا اور مزے دار سنیکس دستیاب ہیں مگر ان چنوں کا مرتبہ کسی طور کم نہ ہوسکا۔

جب ہم فیروز پور روڈ سے اپنے تایا کے گھر قصور کی جانب واقع کاہنہ جاتے تو چونگی امر سدھو گزرتے ہی سب تیار بیٹھ جاتے۔ ابو کی کہانی شروع ہوتی۔ انڈیا نے کیسے لاجسٹک لائن کاٹنے کی کوشش کی۔ لاہور سے قصور کے بارڈر تک جنگ پھیلی ہوئی تھی۔ ان کی کوشش تھی فیروز پور روڈ پر ہڈیارہ نالے کا پل تباہ کر دیں تا کہ فوجیوں، توپوں اور ٹینکوں کی نقل وحرکت متاثر ہو جائے۔ جہاز اس قدر نیچے آئے تھے۔ یوں گولہ مارا لیکن وہ پل کی بجائے، نالے کے کنارے جا گرا۔ ''یہ رہا گڑھا''، ہم نالے کنارے اترتے، بڑی عقیدت سے گڑھا دیکھتے۔ وہاں کوئی فوجی ٹرک یا خیمہ ہوتا تو سب بچے لائن سے لگ کے وردی پوش سپاہیوں سے ہاتھ ملاتے، سیلوٹ کرتے۔ جذبہ حب الوطنی سے سرشار ابا کی پر جوش آواز پر سر دھنتے۔ ''مردِ مسلمان جب خدا کی راہ میں نکلتا ہے، اس کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں۔ دشمن اتنا نیچے تھا۔ جہاز بس اس کھمبے سے ذرا ہی اونچا تھا۔'' ہمارے تصور کے گھوڑے ساتھ ساتھ دوڑتے۔ بجلی کی لائن کے اوپر بھارتی جہاز دیکھتے۔ ''بتاؤ کس نے اس بم کو پل کی بجائے اتنے گز دور ادھر گرایا؟'' فرشتوں نے۔ ہمارا یقین تھا کہ ہمارے مجاہدوں کے ساتھ فرشتے لڑا کرتے ہیں۔ اور کوئی انسان فرشتوں کو شکست نہیں دے سکتا۔ لاہور چھاؤنی جاتے ہوئے۔ ایم ایم عالم روڈ

سے گزرتے تو ایک انتہائی محیر العقول فیئری ٹیل سنائی جاتی۔ اکیلے سکواڈرن لیڈر ایم ایم عالم نے کیسے انڈیا کے جہاز گرائے۔ ورلڈ ریکارڈ ہے، ورلڈ ریکارڈ۔ ایک منٹ میں سیبر نے سات ہنٹر گرا دیے۔ ہمارے ہیرو تشکیل ہوتے رہے۔

ہم کچھ بڑے ہوئے تو ان کہانیوں میں قرآن مجید کا حوالہ شامل ہو گیا؛'' یاد رکھنا، اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ ایک مومن دس کافروں پر بھاری ہے''۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ دیکھ لو۔ کہیں بھی انہیں عددی برتری حاصل نہیں رہی۔ ہاں خدا کی نصرت اور تائید۔ ایک سپاہی جب اللہ اکبر کا نعرہ لگاتا ہے،'' کافراں دے دلاں تے رعب پے جاندا اے۔ ایں یرکدے نیں'' ان کا بازو لہراتا اور پھر ''یرکنے'' کی وژول ڈیمنسٹریشن (Visval demonotration) ہوتی۔ اب وہ جنگوں کے تجزیے بھی کرنے لگتے۔'' مسلمانوں کو لڑائی کے میدان میں کوئی شکست نہیں دے سکتا کیونکہ وہ موت کے خوف سے آزاد ہوتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ جیت گئے تو غازی، اور جان سے گزر گئے تو شہید۔ شہید تو زندہ ہوتا ہے''۔ ساتھ ساتھ اس میں پنڈت اور بنیے کی ذہنیت اور کردار کا تجزیہ ہوتا۔ اگر کوئی اچھا ذکر کرتے تو پنڈت کہتے اور برائی کرنی ہوتی تو بنیا۔'' اسی اکو ای گلی اچ رہندے سی'' لہٰذا اس عینی و عملی مشاہدے کی بنا پر وہ مول تول اور تجارت میں ہشیاری کو ہندوؤں کا trait گردانتے۔ چانکیہ کے پیروکار مکاری سے سیاست کرتے ہیں۔ مسلمان سیدھے سادھے ہوتے ہیں۔ کبھی کہا کرتے ،لڑائی کے میدان میں نہ ہارنے والے آپس کے انتشار اور اختلاف سے مار کھاتے ہیں۔ باہر کے دشمن کو زیر کرنے والے اندر سے کسی خنجر سے گھائل ہو جاتے ہیں۔ میدان کی فتح کو مذاکرات کی فتح میں بدلنا ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ جیتی جنگیں میزوں پر ہار جاتی ہیں۔

امی سورہ انفال سناتیں کہ آپس میں مت جھگڑو ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ پھر 1971ء کی جنگ کی شکست کی وجوہات میں قوم کی آپس کی بے اتفاقی اور خدا کی بجائے امریکی بیڑے پر انحصار جیسی مثالیں ہوا کرتیں۔ شہری دفاع کے بنیادی اصول، باقاعدہ کورس کرنے سے پہلے گھر میں موجود ان کتابچوں سے حاصل کیے جو انہوں نے سبقاً سبقاً پڑھائے۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ اپنی بیٹیوں کو ابتدائی فوجی ٹریننگ دلوا دیں۔ بندوق کے اجزا بتاتے۔ شُست باندھنے، ہدف کا نشانہ لینے جیسی باتوں کی وضاحت کرتے۔ خود ان کا

نشانہ بہت اچھا تھا۔ ابا کے زمانے میں مطالعۂ پاکستان پڑھایا جاتا تھا نہ انہیں نسیم حجازی کے ناولوں سے کوئی دلچسپی تھی۔ نظریہ پاکستان اور جداگانہ قومیت کے عناصرِ وجودی انہوں نے اپنی عملی زندگی میں سیکھے اور برتے تھے۔ انہوں نے کبھی ہمیں فتح و نصرت میں بابوں کی کارفرمائی کی کہانیاں نہیں سنائی تھی۔ صرف یہ بتایا تھا کہ مادی اسباب کے ساتھ ایک عالم غیب بھی برابر کام کرتا ہے جہاں کے اصول قاعدے ہماری حسی آنکھ نہیں دیکھ سکتیں۔ جہاں روح کے تجربے، دل کے جذبے، ایمان و یقین کے ترازو پر فیصلے ہوتے ہیں۔

پھر ہم بڑے ہو گئے۔ ابا کی کہانیوں پر سوالات اٹھانے لگے۔ ابا! ٹیکنالوجی بڑی چیز ہے۔ پروجیکٹائل موشن، ہوا کا دباؤ، فضا میں درجہ حرارت اور سپیڈ بم گرنے، نہ گرنے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ سوالات بحث میں بدلنے لگے۔ ابا کی سب باتیں اگلے وقتوں کی خرافات معلوم ہوتیں۔ غلطیاں تو اپنی تھیں۔ بغیر تدبیر کے جنگ شروع کی۔ بغیر کچھ حاصل کیے تاشقند اور شملہ میں جنگ ہار دی۔ 1971ء میں فوج الگ تھی عوام الگ تھے۔ عوامی رائے کا احترام کرنا چاہیے تھا۔ یہ جہاد کیا ہے؟ سرحد کے اس طرف بھی ذاتی مفاد ہے اُس طرف بھی ذاتی مفاد ہیں۔ عوام دونوں طرف پس رہے ہیں۔ آخر وہ زچ ہو جاتے۔ ''ایہہ گلاں تہاڈی عقلاں اچ نئیں آنیاں۔''

ہم کہانیوں کی عمر سے بڑے ہو چکے تھے۔ ابا بحث پسند نہیں کرتے تھے۔ آخر وہ خاموش رہتے۔ ہم اپنی دانش، عقل، تجزیے اور استدلال کے غرور میں فاتحانہ مسکراتے۔ تاریخ کو اپنی خود اعتمادی کی عینک لگا کے دیکھنے کی بجائے ''ابجکٹو نیریٹو''(Pfjective narrative) کی مالا جپتے۔ ہمارے بچپن کے معصوم یوٹوپیا پر منطق کے دبیز پردے پڑ گئے۔ پھر بہت سی جنگیں گزریں۔ افغانستان اور روس کی لڑائی، عراق ایران کی جنگ، کارگل کی جنگ، امریکا اور افغانستان .... ابا نے جنگوں کی کہانیاں سنانی ترک کر دیں۔ مجاہدوں کا کردار بتانا چھوڑ دیا۔ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا تخیل اپنے ساتھ ہی لیے، ایک شام بالکل خاموش ہو گئے۔

(بقیہ صفحہ نمبر:۴۵)

تفہیم دین سید خالد جامعی

# کیا اداراتی / اجتماعی قربانی جائز ہے؟

قربانی عبادت اور فریضہ ہے کاروبار نہیں (مفتی محمد معاذ اشرف)

اداروں میں اجتماعی قربانی کا مقصد خدمت خلق نہیں معاش کا حصول ہے (مفتی محمد نعیمؒ)

* اداروں کو قربانی کی ذمہ داری دینے کی بجائے قربانی کا فریضہ صحیح طریقے سے ادا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ لوگ علماء کی رہنمائی میں انفرادی اور نجی اجتماعی قربانی کا اہتمام کریں (مفتی احمد صدیقی)

* وکیل کے ذریعے قربانی کی اجازت کا مطلب کیا یہ ہے کہ پورا شہر اور پورا ملک وکیل ہی کے ذریعے قربانی کا فریضہ ادا کرے؟ قربانی کے سنن و مستحبات کی ادائیگی کا حکم فرد کو دیا گیا ہے یا ادارے کو؟ (مولانا احتشام صدیقی)

* اداروں کی جانب سے اجتماعی قربانی کے نتیجے میں اب بڑی بڑی کمپنیاں میدان میں آ گئی ہیں اور ایسی سہولیات فراہم کر رہی ہیں جو کمزور ادارے مہیا نہیں کر سکتے مثلاً گوشت آئس باکس میں گھر پر پہنچانے کا انتظام، قربانی کے ہر حصے کی الگ کٹائی۔ یہ ادارے مدارس کو ملنے والی کھالوں سے محروم کر رہے ہیں۔

تین سال پہلے مولانا احتشام صدیقی صاحب نے اداروں کی جانب سے ہونے والی قربانی کی رسم میں مضمر خطرات، خدشات، امکانات پر ایک سوال نامہ ہمیں بھیجا تھا۔ ہم مفتی نہیں لہٰذا ہم نے یہ استفتاء علماء کرام کی خدمت میں پیش کر دیا کہ وہ اس ضمن میں امت کی رہنمائی فرمائیں لیکن اس طرف توجہ نہیں دی گئی۔

استفتاء میں جن خطرات کی نشاندہی کی گئی تھی وہ پورے ہو گئے اور بڑے شہروں خصوصاً کراچی میں کمرشل بنیادوں پر بڑی بڑی کمپنیوں نے قربانی کرنے والوں کی وکیل بن کر قربانی کو ایک بڑے منافع بخش کاروبار میں بدل دیا ہے۔ مولانا احتشام نے اپنے سوال میں توجہ دلائی تھی ''کراچی میں کچھ کمپنیوں نے یہ کام شروع کر دیا ہے یہ کام اگر بڑھا اور پھیلا تو اجتماعی

قربانی کے اداروں سے یہ کام نکل کر ان کمپنیوں کے ہاتھ میں چلا جائے گا۔ ان کی خدمات اور معیار جس درجے کا ہوگا ظاہر ہے وہ معیار اجتماعی قربانی کے ادارے مہیا نہیں کر سکتے۔ کیا ہم اس وقت ان کمپنیوں کی مخالفت کر سکیں گے؟ اور عوام کو یہ پیغام دینے کے قابل رہیں گے کہ قربانی کرنے کا حکم فرد کو دیا گیا ہے ادارے کو نہیں؟ وہ وقت اگر آ گیا تو امت کو کتنے بڑے خسارے کا سامنا ہوگا؟ مولانا صاحب کی معروضات اور ہماری استدعا پر توجہ نہیں دی گئی اور اب صورتِ حال یہ ہے کہ بڑی بڑی کمپنیاں کمرشل مقاصد کے تحت اجتماعی قربانی کے اس عمل میں داخل ہوگئی ہیں جس کا ایک نتیجہ تو یہ نکلے گا کہ مدارس کو کھالیں نہیں ملیں گی اور دوسرا نتیجہ یہ کہ لوگ قربانی کی سنت کے پورے نظام سے لاتعلق ہو کر گھر بیٹھے ہوئے قربانی کے گوشت کا انتظار کریں گے۔ بکرا منڈی کون جائے؟ جانور کون تلاش کرے؟ جانور کی دیکھ بھال کون کرے؟ چارہ کون کھلائے؟ اس کا پیشاب پاخانہ کون صاف کرے؟ اس سے محبت کیوں پیدا کریں؟ سب سے بہترین اور آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ اس کمپنی کے پاس جائیں پیسے جمع کرائیں، ٹوکن لیں اور گھر آ جائیں۔

اس رویے کے نتیجے میں قربانی کی سنت کی اصلیت حقیقت روحانیت باقی رہے گی یا نہیں؟

تین سال کے بعد کراچی کے ایک ممتاز علمی مذہبی رسالے میں مفتی محمد معاذ اشرف صاحب نے قربانی کے کمرشل ازم کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ان کے مقالے کا عنوان ہے ''اجتماعی قربانی میں ہونے والی عمومی غلطیوں کا جائزہ'' مضمون میں مولانا احتشام صدیقی صاحب کے تمام خدشات کی تصدیق کی گئی ہے۔ ہمارے خیال میں مفتی معاذ صاحب کے مضمون کا عنوان یہ ہونا چاہیے تھا:

''اداروں کی جانب سے اجتماعی قربانی میں ہونے والی عمومی غلطیوں کا جائزہ''

وہ لکھتے ہیں کہ ''اجتماعی قربانی کو بڑے پیمانے پر کمرشل بنیادوں پر انجام دیا جانے لگا ہے اور اس کو مستقل طور پر ایک کاروبار سمجھ لیا گیا ہے۔ پھر بڑے بڑے برانڈز کی اس عمل میں شمولیت نے وہ کچھ مناظر دکھائے ہیں جن کا تصور بھی رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی ہے۔ اس تحریر کا مقصد اس خرابی اور اس کے سنگین نتائج سے امت کو آگاہ کرنا ہے۔''

ہمارا سوال یہ ہے کہ جب ہم اور مولانا احتشام صاحب امت کو اس خطرے سے آگاہ

کررہے تھے تو اس معاملے سے چشم پوشی کی گئی۔اب معاملہ ہاتھ سے تقریباً نکل رہا ہے تو ہمیں ازسرنو اپنے رویے اور اپنے اجتماعی اداروں کے قیام پر غور کی ضرورت ہے۔اگر قربانی کو انفرادی اور نجی اجتماعی سطح پر رکھ کر علماء امت کی رہنمائی فرماتے رہتے تو کسی کمپنی کو کمرشل بنیادوں پر قربانی کے پورے ادارے کو ہتھیا لینے کی جرأت نہ ہوتی۔مختلف علماء کی آراء ہم نے سطور بالا میں ذکر کردی ہیں۔مولانا احتشام صاحب کے چند سوالات ہیں وہ ہم بغیر تبصرے کے علماء کی خدمت میں پیش کررہے ہیں مفتیانِ کرام ان سوالوں کی حقانیت کے بارے میں ہماری رہنمائی فرما سکتے ہیں۔

۱۔ قربانی کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف فرد کو دیا ہے۔کیا اُسے یہ اجازت بھی دی گئی ہے کہ وہ اپنی تمام مذہبی ذمہ داری، سنن، نوافل کو بالائے طاق رکھ کر قربانی کا اختیار کسی کمپنی، ادارے، تنظیم، آرگنائزیشن کے سپرد کردے۔

کیا ادارہ ان تمام سنن اور نوافل پر عمل کرسکتا ہے جو قربانی سے متعلق احادیث میں بیان ہوئیں اور تمام امت پندرہ سو سال سے اس پر عمل کررہی ہے۔امت کا اس عمل پر اجماع، تواتر، تعامل کیا فرد کو اجازت دیتا ہے کہ وہ سنت سے انحراف کرے؟

۲۔ شریعت نے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرد کو دیا ہے یا فرد کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ ٹیلی فون کرکے کسی ادارے کے اکاؤنٹ میں براہ راست جمع کرادے؟ قرآن میں صلوۃ و زکوٰۃ کا حکم ہر جگہ ساتھ ساتھ آیا ہے۔بندہ نماز کے ذریعے خالق سے تعلق استوار کرتا ہے اور خالق کے حکم پر زکوٰۃ کے ذریعے اس کی مخلوق سے دائمی رشتہ محبت و مودت قائم کرتا ہے، اس سے رابطے میں رہتا ہے، ان کے دکھ درد میں شریک ہوکر ان کے مالی، معاشی، مادی حالات سے باخبر رہتا ہے اور زکوٰۃ سے ان کی مدد کرتا ہے۔

اس کے اعزہ، اقرباء، ہمسائے، غرباء، مساکین، فقراء، احباب، دور کے رشتہ دار سب زکوٰۃ کے حق دار ہیں۔ایک ادارے کو فون کرکے زکوٰۃ دینے کے نتیجے میں مخلوق سے جو رشتہ منقطع ہورہا ہے اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟ کیا قرآن و سنت کے احکاماتِ زکوٰۃ کا منشاء یہی ہے کہ فرد اپنی زکوٰۃ فرد کو دینے کی بجائے کسی ادارے کے سپرد کردے۔

۳۔ نشوز پر سزا دینے کا اختیار فرد/ شوہر کو دیا گیا ہے یا کسی ادارے یا عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے؟

۴۔خلع کا اختیار کسی فرد کو دیا گیا ہے یا کسی ادارے کو، عدالت کو، ریاست کو دیا گیا ہے؟

۵۔طلاق کا اختیار کسی فرد کو دیا گیا ہے یا کسی ادارے کو عدالت کو ریاست کو دیا گیا ہے؟

۶۔ چاند دیکھنے کا حکم فرد کو دیا گیا ہے یا ریاست، ادارے کو دیا گیا ہے۔فرد ارباب حل وعقد کے سامنے شہادت دے گا تا کہ وہ اعلان کریں لیکن رؤیت کا حکم فرد ہی کو دیا گیا ہے اگر کوئی شخص اپنی آنکھ سے رمضان المبارک کا چاند دیکھ لے تو اس کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ روزہ رکھ لے۔ ریاست، عدالت، قاضی، رؤیت ہلال کمیٹی کچھ بھی کہے اس فرد پر روزہ رکھنا فرض ہے کیونکہ شریعت کا مخاطب فرد ہے اکثر احکامات فرد ہی کو دیئے گئے ہیں۔

۷۔ خانگی معاملات میں اختلافات پر فرد کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حَکم کا تقرر کرلیں جو فیصلہ وہ کردے اسے مان لیں یہ عمل فرد اور فرد کے ذریعے انجام پارہا ہے۔اس میں ریاست، عدالت، قاضی کوئی مداخلت نہیں کرسکتا۔ وہ تمام اسلامی احکامات جن میں شریعت نے فرد کو مخاطب بنایا ہے کیا فرد کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ ان احکامات پر خود عمل کرے نہ کہ اپنے اعمال اداروں کے سپرد کرتا چلا جائے جس کے نتیجے میں Personal Structure ختم ہو جائے گا اور Impersonal Structure وجود میں آئے گا جیسا کہ مغرب میں ہوا ہے کہ اداروں نے تمام انفرادی ذمہ داریوں کا خاتمہ کر کے اپنا غلبہ فرد پر قائم کر دیا ہے۔

۸۔ یتیم کی کفالت کا حکم شریعت نے فرد کو دیا ہے ادارے کو نہیں۔یتیم کو صرف کھانا اور چھت نہیں چاہیے ماں کی محبت، باپ کی آغوش اور معاشرتی خاندانی زندگی چاہیے جو کسی خاندان ہی میں ممکن ہے۔کیا اسی وجہ سے اسلامی تاریخ میں یتیم خانے قائم نہیں کیے گئے کیونکہ افراد نے اپنی ذمہ داری پوری کی۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج کا فرد اپنی شرعی ذمہ داری ادا کرنے کی بجائے اسے مسلسل اداروں کے سپرد کررہا ہے۔احکامِ شریعت فرد کے لیے ہیں یا ادارے کے لیے ہیں؟ ادارہ کمرشل ہوجائے تو اسے کیسے روکا جائے؟

غامدیت آصف محمود

# غامدی مکتبِ فکر کی اسرائیل کی حمایت قابلِ مذمت ہے

## اسرائیل کے مجاور پاکستان کو معاف رکھیں

مسندِ ارشاد جب میراث میں آتی ہے تو عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں چلے جاتے ہیں۔ یہ جب دامادوں کے ہاتھ میں آجائے تو بات زاغوں سے بہت آگے چلی جاتی ہے۔ ٹیکساس کے موسموں پر قربانت شوم، کہ اسرائیل کی کوزہ گری میں، اب ان کے نشانے پر پاکستان بھی آ گیا ہے۔ ہفواتِ تازہ یہ ہیں کہ پہلے ثابت تو کیجیے کہ اسرائیل غاصب ہے۔ اسرائیل کو تو عالمی قوتوں نے اسی طرح قائم کیا جیسے بہت سارے اسلامی ممالک کو لکیریں کھینچ کر قائم کیا۔ پھر ہاتھ نچا نچا کر فرماتے ہیں کہ اس طرح تو پاکستان کو بھی بعض قوتیں غاصب کہتی ہیں۔ یعنی دامادی دانش یہ کہہ رہی ہے کہ بہت سارے اسلامی ممالک اور پاکستان کا قیام اسی طرح ہوا جیسے اسرائیل کا قیام ہوا۔ چنانچہ اس استدلال کی بنیاد پر وہ غیر ضروری طور پر ہاتھ لہرا کر رجز پڑھتے ہیں کہ ثابت تو کیجیے کہ اسرائیل غاصب ہے کیونکہ ایسے تو پاکستان کو بھی غاصب کہا جاتا ہے۔

مذہب بنیادی طور پر میرا میدان نہیں، مَیں اس میں شاید صف نعلین کا طالب علم بھی نہیں، اس لیے غامدی مکتبِ فکر کی مذہبی تحقیقات کے بارے میں کوئی رائے دینا میرے لیے ممکن نہیں۔ لیکن قانون اور تاریخ کی دنیا میں، ان لوگوں کو جب جب بات کرتے دیکھا، اس کا حاصل مایوسی کی اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اگر کوئی شخص اسرائیل اور پاکستان کے قیام کو ایک جیسا عمل قرار دیتا ہے تو یہ اس کی جہالت کے ابلاغ کے سوا کچھ نہیں۔ اگر وہ ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ اسرائیل کو پہلے غاصب تو ثابت کرو کیونکہ یہ الزام تو پاکستان پر بھی لگتا رہتا ہے تو یہ تقابل بتاتا ہے کہ یہ جہالت نہیں، اس سے کچھ بڑھ کر ہے۔ اسرائیل اور پاکستان کو ایک صف میں کھڑا کر کے اسرائیل کا مقدمہ پیش کرنے کی یہ کوشش شرمناک اور اذیت ناک تو ہے ہی، اس کے ساتھ یہ سوال بھی ہے کہ کیا یہ ذوق کی کثافت ہے یا یہ کوئی نیا فقہی پراجیکٹ ہے کہ اسرائیل کے بارے میں سماج کو 'ڈی سنسٹائز' کیا جائے اور اس عمل میں اگر پاکستان پر ہی فردِ جرم عائد کرنا پڑے تو گریز نہ کیا جائے؟

حیرت ہوتی ہے اس گروہ کی منزل کیا ہے؟ کس کس چیز کو انہوں نے سینگوں پر نہیں لیا۔ اس دامادی چاند ماری کا تازہ نشان پاکستان ہے۔

اسرائیل کے قیام کو پاکستان کے قیام سے ملانا اور اسرائیل کی حمایت میں مقدمہ کھڑا کرتے ہوئے پاکستان کو غاصب قرار دینے کے ردیف قافیے ملانا ایک ایسی جسارت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جو ایسا سمجھتا ہے اس کے لیے سب سے اچھا مشورہ یہی ہے کہ پہلی فرصت میں کسی نفسیاتی معالج سے رجوع کرے۔

اسرائیل دنیا بھر سے یہودیوں کو ناجائز طور پر فلسطین میں آباد کر کے بنا، جب کہ پاکستان کے لیے دنیا بھر سے صہیونیت کے انداز سے لوگوں کو ہانک کر نہیں لایا گیا۔ یہاں باقاعدہ ریفرنڈم ہوا۔ دھرتی کے بیٹوں سے پوچھا گیا کس کے ساتھ جانا چاہتے ہو، جنہوں نے پاکستان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا وہ پاکستانی کہلائے۔

جس وقت فلسطین میں باہر سے لائے گئے صہیونیوں کے لیے اسرائیل قائم کیا جا رہا تھا اس وقت فلسطین میں ان یہودیوں کے پاس صرف 6 فیصد زمین تھی اور اس میں بھی قریب 4 فی صد زمین وہ تھی جو عثمانی دور کی 'ریاستی زمین' تھی جسے انتداب کے زمانے میں صہیونی کمشنر سیموئل رابرٹ نے یہودیوں میں تقسیم کیا۔ 1947ء میں یروشلم میں یہودیوں کے پاس صرف دو فی صد زمین تھی۔ عکا میں ان کی ملکیت میں صرف تین فی صد زمین تھی۔ الخلیل، رام اللہ، بئر السبع اور نابلوس میں وہ ایک فیصد سے بھی کم زمین کے مالک تھے۔ غزہ میں ان کے پاس صرف چار فی صد زمین تھی۔ المورد کے مسند نشینوں سے پوچھا جانا چاہیے کیا پاکستان بھی ایسے ہی قائم ہوا تھا؟

کیا پاکستان بنانے والوں کے پاس پاکستان کے علاقوں میں زمین کی ملکیت صرف چھ فی صد تھی؟ کیا پاکستان بنانے کے لیے بھی یورپ وغیرہ سے مسلح جتھے یہاں لائے گئے اور انہوں نے فلسطینیوں کی طرح یہاں مقامی لوگوں کا قتل عام کر کے پاکستان بنا لیا؟ جنرل اسمبلی نے فلسطین میں اسرائیل کے قیام کی قرارداد جس طرح منظور کی اور جس طرح مختلف ممالک سے امریکہ نے دھونس اور دباؤ سے ووٹ لیے یہ ساری کہانی تو اب ڈی کلاسیفائی ہو چکی

ہے۔ کیا پاکستان کے قیام میں بھی ایسا ہوا تھا؟ اسرائیل کا قیام تو اقوام متحدہ کے چارٹر کی خلاف ورزی تھی۔ اس پر خود قوام متحدہ کی سب کمیٹی نے واضح موقف دیا اور اسے غیر قانونی قرار دیا۔ یہودیوں کی جبری آبادکاری بھی مسلّمہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی تھی۔ امریکی دباؤ پر ایک غلط فیصلہ لے لیا گیا۔ اس واردات کو قیام پاکستان سے کیسے ملایا جا سکتا ہے؟

ایک اور عجب تماشا ہے، جب ان کی واردات اور طریقۂ واردات عیاں ہوتا ہے اور اس پر تنقید ہوتی ہے تو یہ اخلاقیات کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی یہ خود تو مسلمانوں کی ہر حسّاسیت کو پامال کریں لیکن ان کے خودساختہ بتوں پر کوئی پتھر کہیں سے آئے تو وہ بداخلاقی۔ یہ خود تو اسرائیل کی محبت میں ایسے مجنوں ہو جائیں کہ پاکستان ہی پر پِل پڑیں تو گوارا ہے لیکن کوئی ان کی اس حرکت پر تنقید کر دے تو اسے جذباتی ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔

اسرائیل کا مقدمہ پیش کرتے ہوئے داماد جی کہتے ہیں کہ پہلے ثابت تو کرو کہ اسرائیل غاصب ہے کیونکہ ایسے تو طالبان پاکستان کو بھی ڈیورنڈ لائن کے معاملے میں غاصب کہتے ہیں۔ یہ موقف بھی جہالت اور بددیانتی کے سوا کچھ نہیں۔ اسرائیل کا غاصب ہونا محض الزام یا کسی ایک فریق کی رائے نہیں، امر واقع ہے۔ خود اقوام متحدہ اسرائیل کو قابض اور غاصب قرار دے چکی ہے۔ جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل کی اتنی زیادہ قراردادیں ہیں کہ ایک کالم میں ان کا ذکر ممکن ہی نہیں، یہ کئی کتابوں کا موضوع ہے۔ کیا اقوام متحدہ کی کوئی ایک قرارداد بھی ایسی ہے جس نے پاکستان کو وہ طعنہ دیا ہے جو داماد جی دے رہے ہیں۔ ایک الزام اور ایک امر واقعہ کو برابر کھڑا کرنے کے لیے انتہائی درجے کی بددیانتی درکار ہوتی ہے۔

انٹرنیشنل لا کی مسلمہ پوزیشن ہے کہ اسرائیل قابض اور غاصب ہے۔ سلامتی کونسل نے اپنی دو قراردادوں میں فلسطینیوں کو اس قابض اور غاصب اسرائیل کے خلاف مسلح مزاحمت کا حق دے رکھا ہے۔ کیا پاکستان کا معاملہ بھی ایسا ہے کہ داماد جی اسرائیل کا مقدمہ لڑتے ہوئے پاکستان پر بھی غاصب ہونے کی گرہ لگا دیں؟ عطار کا لونڈا بلاشبہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کی جہالت کو کالم کا موضوع بنایا جائے لیکن یہ بات کرنا اس لیے ضروری ہے کہ عطار کی دکان اور اس کے برانڈ ایمبسڈرز کی ہنرکاری سے لوگ ہشیار رہیں۔

غامدیت آصف محمود

# غامدی مکتبِ فکر۔فقہِ غلامی کا علمبردار

المورد نے جس طرح مسلمانوں کے شعورِ اجتماعی اور حسّاسیت کی توہین کی ہے اس کا حاصل ایک ہی سوال ہے کہ المورد کا اصل مسئلہ کیا ہے؟

اس نشست میں ہم امور خارجہ کے باب میں اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں۔ المورد کے اہل فکر ایک بات اکثر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی فقہ ان کے دور عروج کی فقہ ہے اور اقوام عالم کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے جتنی بھی بحث فقہ میں ملتی ہے وہ ایک فاتح قوم کی نفسیات کی عکاس ہے۔

پھر وہ بتاتے ہیں کہ اب ہم فاتح نہیں۔اب ہمارا دورِ عروج نہیں۔ساتھ ہی وہ یہ رہنمائی کرتے ہیں کہ چونکہ اب ہمارا دورِ عروج نہیں تو اب ہمیں ایک نئی فقہ کی تشکیل کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کو بتائے کہ دورِ زوال میں اقوامِ عالم کے ساتھ معاملہ کرنے کے آداب کیا ہوتے ہیں؟

یہاں آکر یہ بالکل ہی شکست خوردہ فکری طفیلیے بن جاتے ہیں۔ یہ لوگوں کو غلامی کے فقہی آداب سکھانا چاہتے ہیں اور لوگ اسے قبول نہیں کرتے تو یہ جھنجھلا جاتے ہیں۔ پھر یہ مسلمانوں پر لعن طعن شروع کر دیتے ہیں۔ ہر معاملے میں یہ ان کی تضحیک کرتے ہیں۔ان کی تکلیف یہ ہے کہ عام مسلمان ان کی غلامی کی فقہ قبول کیوں نہیں کرتا؟ پھر یہ خود کو اہلِ عقل اور دوسروں کو جذباتی قرار دیتے ہیں۔

اصل مسئلہ گویا یہ ہے کہ یہ دورِ زوال میں غلامی کی فقہ مرتب کر کے سب کو اس پر قائل کرنا چاہتے ہیں۔لوگ جب ان کی فقہ ان کے منہ پر مارتے ہیں تو یہ مسلمانوں کو ان کا زوال یاد دلانے کے لیے مزید لعن طعن اور تضحیک پر اتر آتے ہیں۔

یہ مسلمانوں کی تاریخ کے غلام فقیہ ہیں۔غلامی کے آداب ان کی ہڈیوں اور حتیٰ کہ ان کے خون میں رچ بس گئے ہیں۔ یہ مسلمانوں کو سمجھاتے ہیں کہ تم تو ہو ہی ایسے۔سارے مسائل تم میں ہیں۔(بقیہ صفحہ نمبر ۷۳)

عالمِ اسلام محمد کاشف شیخ

# ایک صدمہ انگیز انکشاف

## عراقی سیاستدانوں کے اربوں ڈالر امریکی بنکوں میں

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے تازہ بیان نے مسلم دنیا کے دل چیر دیے ہیں جس میں اس نے کہا کہ عراقی سیاستدانوں نے جن بھاری رقوم کو امریکی بینکوں میں جمع کر رکھا تھا، اب وہ امریکی عوام کی ملکیت ہوں گی۔ یہ قیمت ہے اُن جانوں کی، جو امریکی فوجیوں نے عراق میں قربان کیں۔

امریکی محکمہ خزانہ کی جانب سے جاری کردہ مبینہ فہرست کے مطابق امریکی بنکوں میں عراقی سیاستدانوں کی مندرجہ ذیل رقوم جمع ہیں:

| | |
|---|---|
| نوری المالکی: 66ارب ڈالر | عدنان الاسدی: 25ارب ڈالر |
| صالح المطلق: 28ارب ڈالر | باقر الزبیدی: 30ارب ڈالر |
| بہاء الاعرجی: 37ارب ڈالر | محمد الدراجی: 19ارب ڈالر |
| ہوشیار زیباری: 21ارب ڈالر | مسعود بارزانی: 59ارب ڈالر |
| سلیم الجبوری: 15ارب ڈالر | سعدون الدلیمی: 18ارب ڈالر |
| فاروق الاعرجی: 16ارب ڈالر | عادل عبدالمہدی: 31ارب ڈالر |
| اسامہ النجیفی: 28ارب ڈالر | حیدر العبادی: 17ارب ڈالر |
| محمد الکربولی: 20ارب ڈالر | احمد نوری المالکی: 14ارب ڈالر |
| طارق نجم: 7ارب ڈالر | علی العلاق: 19ارب ڈالر |
| علی الیاسری: 12ارب ڈالر | حسن العنبری: 7ارب ڈالر |
| ایاد علاوی: 44ارب ڈالر | جلال طالبانی: 35ارب ڈالر |
| رافع العیساوی: 29ارب ڈالر | **کل رقم: 597ارب ڈالر** |

یہ وہ رقم ہے جسے غریب عراقی بچوں کا دودھ، بیواؤں کے آنسو اور لاشوں کے انبار ترس رہے تھے۔ اور آج انہی رقوم کو ایک اجنبی نے ’حق‘ کے نام پر چھین لیا۔

یہ خبر صرف عراق تک محدود نہ رہی۔ سعودی عرب، امارات، کویت، بحرین کے حکمرانوں کے ایوان لرز گئے۔ اُن کی نیندیں اڑ گئیں۔ بینکنگ سسٹم سے رقوم نکالنے کی دوڑ شروع ہو چکی ہے۔ نقصان ہو یا نہ ہو، دولت کو بچانے کی آخری کوشش جاری ہے۔

یہ زلزلہ سوئٹزرلینڈ کی گہرائیوں تک پہنچا، جہاں رازداری کا قلعہ اب پگھلتے ہوئے برف کی مانند ہے۔ بین الاقوامی مالیاتی نظام کی چادر تار تار ہو چکی ہے۔

مسلم شریف کی وہ پیشگوئی ایک پھر زندہ ہو گئی کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُوشِكُ أَنْ يُحْصَرَ فَيْءُ الشَّأْمِ، وَفَيْءُ الْعِرَاقِ، وَفَيْءُ مِصْرَ، فَتَرُدُّونَ إِلَى مَوَاضِعِكُمُ الْأُولَى، تَرُدُّونَ إِلَى مَوَاضِعِكُمُ الْأُولَى، تَرُدُّونَ إِلَى مَوَاضِعِكُمُ الْأُولَى۔ [۱]

’’رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عنقریب شام، عراق اور مصر کی فے (یعنی مال وغلہ) بند ہو جائے گی، اور تم وہیں لوٹ جاؤ گے جہاں سے تم پہلے آئے تھے، وہیں لوٹ جاؤ گے، وہیں لوٹ جاؤ گے۔‘‘

اور وہ پابندیاں پھر سے زندہ ہو چکی ہیں۔ یہ تاریخ کا تسلسل ہے 1990ء کی معاشی تباہی آج 2025ء میں ایک اور رنگ میں پلٹ آئی ہے۔

اب یہ صرف بینکنگ کا مسئلہ نہیں...... یہ پوری امت کی غیرت کا سوال ہے۔

یہ فیصلہ صرف دولت کا نہیں...... یہ فیصلہ شہداء کے لہو، یتیموں کے آنسو اور مسلمانوں کی بے بسی پر مہر لگانے والا فیصلہ ہے۔

ہمیں خاموش نہیں رہنا چاہیے بلکہ ہماری آواز غزہ سے لے کر بغداد، دمشق سے لے کر مکہ تک گونجنی چاہیے۔

---

[۱] صحیح مسلم، کتاب الفتن، حدیث نمبر: 2887

ہمیں اپنی نسلوں کے لیے سچ بولنا ہوگا، چاہے وہ کتنا ہی کڑوا کیوں نہ ہو۔

## البرہان

ہم نے البرہان کے ایک شمارہ میں ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کا ایک مضمون 'احمق یا غدار' کے عنوان سے چھاپا تھا جس میں ڈاکٹر صاحب نے بتایا تھا کہ ایک خاص حد سے بڑی رقوم امریکی حکومت نے ضبط کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یوں اربوں سعودی ریال بغیر کسی محنت امریکی بنکوں کو مل جائیں گے۔ اور جیسا کہ ساری دنیا جانتی ہے کہ امریکی نظام مالیات پر یہودی قابض ہیں۔ یوں گویا کھربوں سعودی ریال بلا کسی سبب ودلیل یہودیوں کے قبضے میں چلے جائیں گے۔

یہی حال ہمارے ہاں ہے کہ ہمارے سیاستدانوں کے اور جرنیلوں کے اربوں ڈالر غیر ملکی بنکوں میں جمع ہیں۔ نواز شریف کے ایون فیلڈ فلیٹس، زرداری صاحب کا لندن کا سرے محل اور سویٹزر لینڈ کے بنکوں میں جمع شدہ ڈالرز اور بلجیم میں جنرل باجوہ کی پراپرٹی۔ اگر یہ رقوم پاکستان حکومت کو مل جائیں تو اس کے سارے قرضے ادا ہو سکتے ہیں اور ملک خوشحال ہو سکتا ہے۔ کاش ہمارے ہاں کوئی ایسی حکومت آئے جو غیر ملکی بنکوں میں جمع پاکستانیوں کے کروڑوں اربوں روپے وہاں سے واپس لائے اور ملک کے معاشی حالات سنبھالے۔

---

## بقیہ: غامدی مکتبِ فکر۔فقہِ غلامی کا علمبردار

امریکہ تو مہذب ترین فاتح ہے۔ اسرائیل تو جائز ریاست ہے۔ تمہارے جہاز تو بھارت کا رخ نہیں کر سکتے۔ تم غلام ہو اور غلاموں کو صبر کرنا چاہیے یا پھر زیادہ سے زیادہ یہ کہ جمہوری جدوجہد، اس سے آگے کچھ نہیں۔

یہ حیران ہیں کہ دورِ زوال کے مسلمان غلامی کے آداب سیکھنے کو تیار کیوں نہیں ہو رہے؟ یہ ایک کامل فکری وارداتیے ہیں۔ شکست خوردہ لوگوں کا ایک ملامتی گروہ۔ خدا ان کے آزار سے امت کو محفوظ رکھے۔

## بقیہ تدریس القرآن

| | | | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| الصَّلٰوۃَ | وَاٰتُوا | الزَّکٰوۃَ ۚ | ثُمَّ | تَوَلَّیْتُمْ | اِلَّا | قَلِیْلًا | الصَّلٰوۃَ | صلاۃ وسلام، مصلّی |
| نماز | اور ادا کرو | زکاۃ | پھر | تم پھر گئے | مگر | تھوڑے | الزَّکٰوۃَ | زکاۃ، تزکیہ، مزکی |
| نماز قائم کروگے زکاۃ ادا کروگے۔ لیکن تم میں سے چند ایک کے سوا | | | | | | | قَلِیْلًا | قلیل، اقلیت، قلت |

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| مِّنْکُمْ | وَاَنْتُمْ | مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ | | مُّعْرِضُوْنَ | اعراض کرنا |
| تم میں سے | اور تم سب | (حق سے) اعراض کرنے والے ہو گئے۔ | | | |
| سب (اپنے وعدے سے) پھر گئے بلکہ تم ہو ہی (حق سے) اعراض کرنے والے۔ | | | | | |

### مشکل الفاظ کے معانی

### اہم نکات

۱۔ اُمِّیُّوْنَ: امّی کہتے ہیں اس شخص کو جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ ایسا شخص عاقل اور سمجھ دار ہو سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر دانش مند، عاقل، سمجھ دار، مدبر، مفکر کون ہو سکتا ہے کہ آپ کو وحی سے علم اور ہدایت ملتی تھی لیکن آپ ظاہری طور پر لکھ پڑھ نہ سکتے تھے اس لیے آپ (ﷺ) کو امّی کہا جاتا ہے اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں۔ قرآن ان اہل کتاب کو بھی امّی کہتا ہے جو نبی کریم ﷺ اور قرآن کی تکذیب کرتے تھے گویا وہ پڑھے لکھے بیوقوف تھے جنہوں نے پڑھا لکھا ہونے کے باوجود جہلاء کا سا رویہ اختیار کیا۔

۱۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا: اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔ ہم اردو میں حُسن کا لفظ عام طور پر انسانوں سے منسوب کرتے ہیں خوبصورتی کے معنوں میں کہ فلاں بڑا حسین ہے یا وہ حُسن والا ہے۔ حُسن کو اگر اعمال سے نسبت دی جائے تو ہم اسے خوب کاری کہہ سکتے ہیں یا اعمالِ حسنہ یا اعمالِ صالحہ۔ اگر گفتگو سے اس کی نسبت ہو تو ہم کہیں گے اچھی بات، خوبصورت بات، سچی بات۔

### مفہوم کا خلاصہ

بنی اسرائیل کو ان کے کرتوت یاد کرانے کا سلسلہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

۱۔ تم نے حقیر دنیوی مفادات کے لیے اور تھوڑی قیمت پر کتاب اللہ میں تحریف کی اور اسے بدل ڈالا۔ تھوڑی قیمت پر دین فروشی کی مذمت سے یہ مراد نہیں ہے کہ بڑی قیمت ملے تو یہ جائز ہے بلکہ دین فروشی اور کتاب اللہ میں تحریف کے لیے اگر کروڑوں اربوں بھی لیے جائیں تو دنیا میں دین پر صحیح عمل کے نتائج اور آخرت میں اجرِ عظیم کے مقابلے میں یہ حقیر ہی ہیں۔

۲۔ تم دعوی کرتے ہو کہ تم اللہ کی پسندیدہ قوم ہو اور تم دوزخ میں نہیں جاؤ گے اور گئے بھی تو محض چند دن کے لیے جاؤ گے۔ حالانکہ اللہ کا بخشش کا یہ وعدہ کسی خاص قوم یا نسل سے نہیں ہے بلکہ اس کا اصول یہ ہے کہ جو بھی برے کام کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور جو بھی نیک کام کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ اور جہنم سے خلاصی پا کر جنت میں صرف وہ لوگ داخل ہوں گے جن کا عقیدہ درست ہو گا لیکن اعمال میں کمی ہو گی۔ جبکہ یہودیوں کا تو عقیدہ ہی درست نہیں ہے کیونکہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

۳۔ بعض مسلمانوں کا یہ رویہ بھی غلط اور احمقانہ ہے کہ وہ اس لیے اللہ کی معصیت کو معمولی بات سمجھتے ہیں کہ انہوں نے تو بالآخر جہنم سے نکل کر جنت میں جانا ہی ہے۔ حالانکہ جہنم کا عذاب اتنا سخت ہے کہ اسے ایک منٹ بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا اور وہاں کا ایک منٹ سالوں کے برابر لگے گا۔ پھر قرآن مجید میں کئی گناہوں پر ہمیشہ کے عذاب کا ذکر موجود ہے خواہ اس کے مرتکب مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ لہٰذا جہنم کے عذاب کو معمولی سمجھنا اور اللہ کی معصیت پر شیر ہونا سخت حماقت کا رویہ ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ یہود سے فرماتے ہیں کہ ہم نے تم سے وعدہ لیا تھا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو گے۔ والدین، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں سے حسن سلوک کرو گے، لوگوں سے اچھی باتیں کہو گے، نماز قائم کرو گے اور زکوۃ ادا کرو گے لیکن تم میں سے اکثر نے ان باتوں پر عمل نہیں کیا۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۵۸)